کلیاتِ جگر

مجموعہ کلامِ اردو

جگر مرادآبادی

قیمت ۱۸/۰ روپے

نیو لیتھو آرٹ پریس۔ دہلی)

جگر اکیڈمی۔ حیدرآباد

ہجومِ تجلّی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

شعلۂ طور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا
صدائے ساز ہوگی اور نہ سازِ بے صدا ہوگا

ہمیں معلوم ہے ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا
سب اس کو دیکھتے ہونگے وہ ہمکو دیکھتا ہوگا

سرِ محشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہوگا
درِ جنت نہ وا ہوگا، درِ رحمت تو وا ہوگا

جہنم ہو کہ جنت جو بھی ہوگا فیصلہ ہوگا
یہ کیا کم ہے ہمارا اور اُن کا سامنا ہوگا

ازل ہو یا ابد دونوں اسیرِ زلفِ حضرت ہیں
جدھر نظریں اُٹھاؤ گے یہی اک سلسلہ ہوگا

یہ نسبت عشق کی بے رنگ لائے رہ نہیں سکتی
جو محبوبِ خدا کا ہو وہ محبوبِ خدا ہوگا

اسی امید پر ہم طالبانِ درد جیتے ہیں
خوشا دردے کہ تیرا درد، دردِ لا دوا ہوگا

نگاہِ قہر پر بھی جان و دل سب کھوئے بیٹھا ہے
نگاہِ مہرِ عاشق پر اگر ہوگی تو کیا ہوگا

یہ مانا بھیج دیگا ہم کو محشر سے جہنم میں
مگر جو دل پہ گذریگی وہ دل ہی جانتا ہوگا

سمجھتا کیا ہے تو دیوانگاہِ عشق کو زاہد
یہ ہو جائیں گے جس جانب اُسی جانب خدا ہوگا

جگرؔ کا ہاتھ ہوگا حشر میں اور دامنِ حضرت
شکایت ہوگا شکوہ جو بھی ہوگا برملا ہوگا

عشق کو بے نقاب ہونا تھا
آپ اپنا جواب ہونا تھا

مست جامِ شراب ہونا تھا
بے خودِ اضطراب ہونا تھا

تیری آنکھوں کا کچھ قصور نہیں
ہاں مجھی کو خراب ہونا تھا

آؤ مل جاؤ مسکرا کے گلے
ہو چکا جو عتاب ہونا تھا

کوچۂ عشق میں نکل آیا
جس کو خانہ خراب ہونا تھا

مست جامِ شراب خاک ہوئے
غرقِ جامِ شراب ہونا تھا

دل کہ جس پر ہیں نقش رنگا رنگ
اس کو سادا کتاب ہونا تھا

ہم نے ناکامیوں کو ڈھونڈ لیا
آخرش کامیاب ہونا تھا

ہائے وہ لمحۂ سکوں کہ جسے
محشرِ اضطراب ہونا تھا

نگہِ یار خود تڑپ اٹھتی
شرطِ اول خراب ہونا تھا

کیوں نہ ہوتا ستم بھی بے پایاں
کرم بے حساب ہونا تھا

کیوں نظر حیرتوں میں ڈوب گئی
موجِ صد اضطراب ہونا تھا

ہو چکا روزِ اولیں ہی جگر
جس کو جتنا خراب ہونا تھا

ایک رنگیں نقاب نے مارا
حسن بن کر حجاب نے مارا

جلوۂ آفتاب کیا کہیے
سایۂ آفتاب نے مارا

اپنے سینے پہ جھیلا پڑا اکثر
تیر جو اضطراب نے مارا

نگہِ شوق و دعویٔ دیدار
اس حجاب الحجاب نے مارا

ہم نہ مرتے ترے تغافل سے
پرسشِ بے حساب نے مارا

لذتِ دید بے جمال نہ پوچھ — دردِ بے اضطراب نے مارا
چھپتے ہیں اور چھپا نہیں جاتا — اس ادائے حجاب نے مارا
حشر تک ہم نہ مرنے والوں کو — مرگِ ناکامیاب نے مارا
پاتے ہی اک اشارۂ نازک — دم نہ پھر اضطراب نے مارا

دل کہ تھا جانِ زیست آہ جگر
اسی خانہ خراب نے مارا

ستمِ کامیاب نے مارا — کرمِ لاجواب نے مارا
خود ہوئی گم ہمیں بھی کھو بیٹھی — نگہِ بازیاب نے مارا
زندگی تھی حجاب کے دم تک — برہمئ حجاب نے مارا
عشق کے ہر سکونِ آخر کو — حسن کے اضطراب نے مارا
خود نظر بن گئی حجابِ نظر — ہائے اس بے حجاب نے مارا
میں ترا عکس ہوں کہ تو میرا — اس سوال و جواب نے مارا
کوئی پوچھے کہ دل کے پہلو میں — تیر کیا اضطراب نے مارا
بچ رہا جو تری تجلی سے — اس کو تیرے حجاب نے مارا
اب نظر کو کہیں قرار نہیں — کاوشِ انتخاب نے مارا

سب کو مارا جگر کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

شورشِ کائنات نے مارا — موت بن کر حیات نے مارا
پرتوِ حسنِ ذات نے مارا — مجھ کو میری صفات نے مارا

ستمِ یار کی دہائی ہے
نگۂ التفات نے مارا

ہیں تمھارا رازِ حیات اور مجھے
میرے رازِ حیات نے مارا

ستمِ زیست آفریں کی قسم
خطرۂ التفات نے مارا

موت کیا! ایک لفظِ بے معنی
جس کو مارا حیات نے مارا

جو پڑی دل پہ سہہ گئے لیکن
ایک نازک سی بات نے مارا

شکوۂ موت کیا کریں کہ جگر
آرزوئے حیات نے مارا

عاشق کو غمِ عشق کے آزار نے مارا
اک یار کو ایک یارِ وفادار نے مارا

تو نے نہ اُٹھایا رُخِ نادیدہ سے پردہ
دنیا کو تری حسرتِ دیدار نے مارا

ہاں اے لبِ جاں بخش دہائی ہے دُہائی
انکار سے بڑھ کر ترے اقرار نے مارا

ہونے کو تو ہر مرگِ محبت ہے مبارک
اے عشق! خوشا وہ کہ جسے یار نے مارا

کیا اُس کی محبت کا ٹھکانا کہ جسے آہ
انکارِ محبت کے بھی اقرار نے مارا

کچھ کہہ تو گیا برقِ غضب نے جیسے پھونکا
اُف کر نہ سکا جس کو ترے پیار نے مارا

دونوں ہی جفا جو ہیں جگر عشق ہو یا حُسن
اک یار نے لوٹا مجھے اک یار نے مارا

عشق کی بے نمودِ پیہم کیا
ہو تمہیں تم اگر تو پھر ہم کیا

آہِ بیتاب و اشکِ پیہم کیا
نقدِ غم ہے تو حاصلِ غم کیا

جُز ترے کچھ نظر نہیں آتا
آرزو بن گئی مجسم کیا

ترا ملنا، ترا نہیں ملنا
اور جنت ہے کیا جہنم کیا

میں وہاں ہوں جہاں نہیں وہ بھی
عالمِ ماورائے عالم کیا

ہم ہیں تیرے، وہ نعمتیں تیری
شکرِ راحت شکایتِ غم کیا

اِن نگاہوں کے سب کرشمے ہیں
ورنہ یہ اضطرابِ پیہم کیا

کرلیا دل نے عیشِ وصل قبول
پاگیا کچھ شباہتِ غم کیا

نیتِ شب بخیر، اے ساقی
بزمِ جم کیا ہے، ساغرِ جم کیا

شوقِ گستاخ کرچکا تقصیر!
دیکھتا اب ہے، حسنِ برہم کیا

موت کی نیند چھائی جاتی ہے
کہہ چکا ہیں فسانۂ غم کیا.

ہمہ تن عشق برملا بن جا
درد کی اک صدائے پیہم کیا

اس نظر میں نہیں سماتا کچھ
جانِ بیتاب، چشمِ پُرنم کیا

عشقِ خاموش کے مزے ہیں جگر
جوشِ فریاد و شورِ ماتم کیا

کام آخر جذبۂ بے اختیار آہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا اُنکو پیار آہی گیا

جب نگاہیں اُٹھ گئیں اللہ رے معراجِ شوق
دیکھتا کیا ہوں وہ جانِ انتظار آہی گیا

ہائے یہ حسنِ تصور کا فریبِ رنگ و بُو
میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آہی گیا

ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیقِ غم
پھر زبانِ بے ادب پر ذکرِ یار آہی گیا

اسطرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں
درحقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آہی گیا

ہائے کافر دل کی یہ کافر جنوں انگیزیاں
تم کو پیار آئے نہ آئے مجھ کو پیار آہی گیا

درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے
دفعتاً پردہ اُٹھا اور پردہ دار[1] آہی گیا

دل نے اک نالہ کیا آج اسطرح دیوانہ وار
بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آہی گیا

[1] اہلِ فارس ان معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ لیکن میرا ذوق اسے جائز قرار دیتا ہے۔ جگر

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا — دل مرا ڈوبا کیا، اچھلا کیا
حسن سے بھی دل کو بے پروا کیا — کیا کیا اے عشق تو نے کیا کیا
تو نے سو سو رنگ سے پردہ کیا — دیکھنے والا تجھے دیکھا کیا
وہ بھی نکلی اک شعاعِ برقِ حسن — میں جسے اپنی نظر سمجھا کیا
لذتِ ناکامیابی الاماں — تو نے ہر امروز کو فردا کیا
اب نظر کو بھی نہیں دم بھر قرار — اس نے بھی اندازِ دل پیدا کیا
اُن کے جاتے ہی یہ حیرت چھا گئی — جس طرف دیکھا کیا دیکھا کیا

مجھ سے قایم ہیں جنوں کی عظمتیں
میں نے صحرا کو جگر صحرا کیا

دل نے سینے میں تڑپ کر اُنھیں جب یاد کیا — در و دیوار کو آمادۂ فریاد کیا
وصل سے شاد کیا، ہجر سے ناشاد کیا — اُس نے جس طرح سے چاہا مجھے برباد کیا
تم مرے رونے پہ ردِّ ستم ایجاد کیا — عشق کی روح کو آمادۂ فریاد کیا
صبر دو دن نہ ہوا رونے بہت یاد کیا — اب نہ کہنا یہ زباں سے تجھے آزاد کیا
لاکھ جانیں ہوں تو پھر اُن پہ تصدق کر دو — وہ یہ فرمائیں کہ ہم نے اُسے برباد کیا
کیا طریقہ ہے یہ صیاد کا اللہ اللہ — ایک کو قید کیا۔ ایک کو آزاد کیا
ہم کو دیکھ! او غمِ فرقت کے نہ سُننے والے — اس بُرے حال میں بھی ہم نے تجھے یاد کیا
اور کیا چاہیے سرمایۂ تسکیں اے دوست — اک نظر دل کی طرف دیکھ لیا شاد کیا

شرحِ نیرنگیٔ اسباب کہاں تک کیجئے
مختصر یہ کہ نہیں آپ نے کیوں یاد کیا!

پردۂ شوق سے اک برق تڑپ کر نکلی
یاد کرنے کی طرح سے انھیں جب یاد کیا

مہرباں، ہم پہ رہی چشمِ سخن گو اُن کی
جب ملی آنکھ نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

دل کا کیا حال کہوں جوشِ جنوں کے ہاتھوں
ایک گھروندا سا بنایا، کبھی برباد کیا

اب سے پہلے تو نہ تھا ذوقِ محبت رسوا
شاید ان مست نگاہوں نے کچھ ارشاد کیا

عشق کیوں سوگ مناتا، یہ خوشی کیا کم ہے
دل یہ جس کا تھا، اُسی نے اُسے برباد کیا

بر دعا تھی کہ دعا کچھ نہیں کھلتا لیکن
چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا

جرمِ مجبوریٔ بے تاب، الٰہی توبہ!
یہ بھی ایک بے ادبی تھی کہ تجھے یاد کیا

موت اک دامِ گرفتاریٔ تازہ ہے جگر
یہ نہ سمجھو کہ غمِ عشق نے آزاد کیا

اس کی نظروں میں انتخاب ہوا
دل عجب حسن سے خراب ہوا

عشق کا سحر کامیاب ہوا
میں ترا، تو مرا جواب ہوا

ہر نفس موجِ اضطراب ہوا
زندگی کیا ہوئی عذاب ہوا

جذبۂ شوق کامیاب ہوا
آج مجھ سے انھیں حجاب ہوا

میں بنوں کس لئے نہ مستِ شراب
کیوں مجسّم کوئی شباب ہوا

نگۂ ناز! لے خبر ورنہ
دردِ محبوب اضطراب ہوا

میری بربادیاں درست مگر
تو بتا کیا تجھے ثواب ہوا!

عینِ قربت بھی عینِ فرقت بھی
ہائے وہ قطرہ جو حباب ہوا

مستیاں ہر طرف ہیں آوارہ
کون غارت گرِ شراب ہوا

دل کو چھونا نہ اے نسیمِ کرم
اب یہ دل روکشِ حباب ہوا

عشقِ بے امتیاز کے ہاتھوں
حسن خود بھی شکست یاب ہوا

جب وہ آئے تو بیشتر سب سے
میری آنکھوں کو اذنِ خواب ہوا

دل کی ہر چیز جگمگا اُٹھی
آج شاید وہ بے نقاب ہوا

دورِ ہنگامۂ نشاط نہ پوچھ
اب وہ سب کچھ خیالِ خواب ہوا

تو نے جس اشک پر نظر ڈالی
جوش کھا کر وہی شراب ہوا

ستمِ خاص یاری کی قسم!
کرمِ یار بے حساب ہوا

عرضِ نیازِ غم کو لبِ آشنا نہ کرنا
یہ بھی اک التجا ہے، کچھ التجا نہ کرنا

جب یاد آ گیا ہے، پہروں رُلا گیا ہے
دل کا وہ مجھ سے کہنا، مجھ کو جدا نہ کرنا

میں خوگرِ ستم ہوں، پروردۂ الم ہوں
جور و جفا کے مالک! مہر و وفا نہ کرنا

دل جب سے مر مٹا ہے کچھ اور ہی فضا ہے
میری یہ التجا ہے، تم سامنا نہ کرنا۔

کوئی سمجھ سکے تو کمبخت دل سے سمجھے
دل میں بھی اُس کے رہنا پھر دل میں جا نہ کرنا

دل سے خطا ہوئی تو اب دل ہے اور میں ہوں
نازک معاملہ ہے، تم فیصلہ نہ کرنا

یہ رازِ عشق اے دل! ہے رازِ خاص اُنکا
وہ بھی جو تجھ سے پوچھیں تو اعتنا نہ کرنا

یارب غمِ محبت! سب بخش دے مجھی کو
میرے سوا کسی کو اب مبتلا نہ کرنا

جتنی ضدیں ہیں! اے دل! تو شوق سے کیے جا
مجھ کو بھی تا قیامت، تیرا کہا نہ کرنا

تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے
اپنے جگر کو اپنے دل سے جدا نہ کرنا

میرا جو حال ہو سو ہو، برقِ نظر گرائے جا
میں یونہی نالہ کش رہوں تو یونہی مسکرائے جا

دل کے ہر اک گوشہ میں آگ سی اک لگائے جا
مطربِ آتشیں نوا! ہاں اسی دھن میں گائے جا

لحظہ بہ لحظہ دم بدم، جلوہ بہ جلوہ آئے جا
تشنۂ حسنِ ذات ہوں تشنہ لبی بڑھائے جا

جتنی بھی آج پی سکوں عذر نہ کر پلائے جا
مستِ نظر کا واسطہ، مستِ نظر بنائے جا

لطف سے ہو کہ قہر سے ہوگا کبھی تو روبرو
اس کا جہاں پتہ چلے، شور وہیں مچائے جا

عشق کو مطمئن نہ رکھ حسن کے اعتماد پر
وہ تجھے آزما چکا تو تو اسے آزمائے جا

کیا لوٹ گیا اک جلوۂ مستانہ کسی کا
رکتا نہیں زنجیر سے دیوانہ کسی کا

کہتا ہے سرِ حشر یہ دیوانہ کسی کا
جنت سے الگ چاہیئے ویرانہ کسی کا

آپس میں الجھتے ہیں عبث شیخ و برہمن
کعبہ نہ کسی کا ہے نہ بت خانہ کسی کا

جس کی نگہِ سادہ کے ہم مارے ہوئے ہیں
وہ شوق یگانہ ہے نہ بیگانہ کسی کا

بے ساختہ آج ان کے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا

ہر دل میں غمِ عشق ہے اقرار در اقرار
ہر لب پہ ہے افسانہ در افسانہ کسی کا

یوں عام نہ کر کیفِ غمِ عشق کو اے دل
کمبخت یہ میخانہ ہے میخانہ کسی کا

اس کو بھی جگر! دیکھ لیا خاک میں ملتے
وہ اشک جو تھا گوہرِ یک دانہ کسی کا

جو اب بھی نہ تکلیف فرمایئے گا
تو بس، ہاتھ ملتے ہی رہ جایئے گا

نگاہوں سے چھپ کر کہاں جایئے گا
جہاں جایئے گا، ہمیں پایئے گا

مرا جب برا حال سن پایئے گا
خراماں خراماں، چلے آیئے گا

مٹا کر ہمیں آپ پچھتایئے گا
کمی کوئی، محسوس فرمایئے گا

نہیں کھیل ناصح! جنوں کی حقیقت
سمجھ لیجیے گا تو سمجھائیے گا
ہمیں بھی یہ اب دیکھنا ہے کہ ہم پر
کہاں تک توجہ نہ فرمائیے گا
ستم عشق میں آپ ساں نہ سمجھیں
تڑپ جائیے گا جو تڑپائیے گا
یہ دل ہے اسے دل ہی بس رہنے دیجیے
کرم کیجیے گا تو پچھتائیے گا
کہیں چُپ رہی ہے زبانِ محبت
نہ فرمائیے گا، تو فرمائیے گا
بُھلانا ہمارا، مبارک، مبارک
مگر شرط یہ ہے، نہ یاد آئیے گا
ہمیں بھی نہ اب چین آئے گا جب تک
ان آنکھوں میں آنسو نہ بھر لائیے گا
ترا جذبۂ شوق ہے بے حقیقت
ذرا پھر تو ارشاد فرمائیے گا
ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگِ محفل
کسے دیکھ کر آپ شرمائیے گا
یہ مانا کہ دیکر ہمیں رنجِ فرقت
مداوائے فرقت نہ فرمائیے گا
محبت، محبت ہی رہتی ہے لیکن
کہاں تک طبیعت کو بہلائیے گا
نہ ہوگا ہمارا ہی آغوش خالی
کچھ اپنا بھی پہلو تہی پائیے گا
جنوں کی جگر کوئی حد بھی ہے آخر
کہاں تک کسی پر ستم ڈھائیے گا

نظر ملا کے، مرے پاس آ کے لوٹ لیا
نظر ہٹی تھی کہ پھر مسکرا کے لوٹ لیا
شکستِ حُسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا
نگاہ نیچے کئے سر جھکا کے لوٹ لیا
دہائی ہے، مرے اللہ کی دہائی ہے
کسی نے مجھ سے بھی مجھ کو چھپا کے لوٹ لیا
سلام اس پر کہ جس نے اٹھا کے پردۂ دل
مجھی میں رہ کے مجھی میں سما کے لوٹ لیا
انہیں کے دل سے کوئی اسکی عظمتیں پوچھے
وہ ایک دل جسے سب کچھ لٹا کے لوٹ لیا

یہاں تو خود تری ہستی ہے عشق کو درکار
وہ اور ہوں گے، جنہیں مسکرا کے لوٹ لیا

خوشا وہ جان جسے دی گئی امانتِ عشق
رہے وہ دل جسے اپنا بنا کے لوٹ لیا

نگاہ ڈال دی جس پر حسین آنکھوں نے
اُسے بھی حسنِ مجسم بنا کے لوٹ لیا

بڑے وہ آئے دل و جاں کے لوٹنے والے
نظر سے چھیڑ دیا۔ گدگدا کے لوٹ لیا

رہا خرابِ محبت ہی وہ جسے تو نے
خود اپنا دردِ محبت دکھا کے لوٹ لیا

کوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا
تمام ہستیِ دل کو جگا کے لوٹ لیا!

کرشمہ سازیِ حُسنِ ازل ارے توبہ
مرا ہی آئینہ مجھ کو دکھا کے لوٹ لیا

نہ لٹتے ہم مگر اُن مست انکھڑیوں نے جگر
نظر بچاتے ہوئے ڈبڈبا کے لوٹ لیا

نہ راہزن، نہ کسی رہنما نے لوٹ لیا
ادائے عشق کو رسمِ وفا نے لوٹ لیا

نگاہِ لُطف کی اِک اِک ادا نے لوٹ لیا
وفا کے بھیس میں اسی بے وفا نے لوٹ لیا

نہ پوچھو شومیِ تقدیرِ خانہ بربادی
جمالِ یار کہاں؟ نقشِ پا نے لوٹ لیا

کسی بہارِ مجسم کا آہ کیا شکوہ!
مرے ہی اس دلِ رنگیں فضا نے لوٹ لیا

قسم ہے تیری پشیمان نگاہوں کی قسم
مجھی کو خود میری شرم و وفا نے لوٹ لیا

وہ دل کو توڑ کے بیٹھے تھے مطمئن کہ ابھی
شکستِ شیشۂ دل کی صدا نے لوٹ لیا

وہ ایک قطرۂ خوں بچ رہا تھا جو دل میں
اسے بھی گوشۂ چشمِ حیا نے لوٹ لیا

قریبِ دل ہی یکایک اُٹھے تھے کچھ فتنے
کہیں کسی محشر ادا نے لوٹ لیا

وہی لہجہ ہے لَے وہی انداز ہے وہی آواز
مجھے تو اس دلِ آفت نوا نے لوٹ لیا

یہی وہ حضرتِ دل ہیں یہی وہ حضرت جنہیں
جنابِ عشق کی اک "مرحبا" نے لوٹ لیا

دلِ تباہ کی روداد، اور کیا کہیے
خود اپنے شہر کو فرمانروا نے لوٹ لیا

زباں خموش، نظر بے قرار، چہرہ فق
تجھے بھی کیا تری کافرادا نے لوٹ لیا۔

نہ اب خودی کا پتہ ہے، نہ بیخودی کا جگر
ہر ایک لطف کو لطفِ خدا نے لوٹ لیا

اب تو یہ بھی نہیں رہا احساس
درد ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا

عشق جب تک نہ کر چکے رُسوا
آدمی کام کا نہیں ہوتا

ٹوٹ پڑتا ہے دفعتاً جو عشق
بیشتر دیر پا نہیں ہوتا

وہ بھی ہوتا ہے ایک وقت کہ جب
ماسوا، ماسوا نہیں ہوتا

ہائے کیا ہو گیا طبیعت کو
غم بھی راحت فزا نہیں ہوتا

دل ہمارا ہے، یا تمہارا ہے
ہم سے یہ فیصلہ نہیں ہوتا

جس پہ تیری نظر نہیں ہوتی
اس کی جانب خدا نہیں ہوتا

ہیں! کہ بے زار عمر بھر کے لئے
دل! کہ دم بھر جُدا نہیں ہوتا

وہ ہمارے قریب ہوتے ہیں
جب، ہمارا پتا نہیں ہوتا

دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے
جب کوئی آسرا نہیں ہوتا

ہو کے اک بار سامنا اُن سے
پھر کبھی سامنا نہیں ہوتا

شبابِ حُسن کا حُسنِ شباب دیکھ لیا
اُچھال اُچھال کے جامِ شراب دیکھ لیا

کہاں تک اب تری باتوں پہ اعتماد کریں
بہت تو اے دلِ خانہ خراب دیکھ لیا

جو ہم نہیں، نہ سہی، کامیابِ غم، غمِ یار
تجھے تو اپنی جگر کامیاب دیکھ لیا

کہیں نہ ہم، تو یہ ہے اپنی مصلحت ورنہ ہزار بار تجھے بے نقاب دیکھ لیا
یہی بہت ہے کہ اُس نے خود اپنی آنکھوں سے خرابِ عشق کو خانہ خراب دیکھ لیا

غمِ نشاط سرورِ الم نہ پوچھ جگرؔ
کبھی جب اُس نے چشمِ پُرآب دیکھ لیا

ہر دم دعائیں دینا، ہر لحظہ آہیں بھرنا ان کا بھی کام کرنا، اپنا بھی کام کرنا
ہاں کس کو ہے میسر، یہ کام کر گذرنا اک بانکپن سے جینا اک بانکپن سے مرنا
تیری عنایتوں سے مجھ کو بھی آچلا ہے تیری حمایتوں میں ہر ہر قدم گذرنا
ساحل کے لب سے پوچھو۔ دریا کے دل سے پوچھو اک موجِ تہ نشیں کا مدت کے بعد اُبھرنا
جو زیست کو نہ سمجھیں، جو موت کو نہ جانیں جینا اُنھیں کا جینا، مرنا اُنھیں کا مرنا
اے شوق! تیرے صدقے پہنچا دیا کہاں تک اے عشق! تیرے قرباں جینا ہے اب نہ مرنا
ہر ذرہ آہ جس کا لبریزِ تشنگی ہے اس خاک کی طرف سے اے ابرِ تر! گذرنا
دریا کی زندگی پر صدقے ہزار جانیں مجھ کو نہیں گوارا ساحل کی موت مرنا
رنگینیاں نہیں تو، رعنائیاں بھی کیسی شبنم سی نازنیں کو آتا نہیں سنورنا
اشکوں کو بھی یہ جرأت، اللہ رے تیری محبت آنکھوں تک آتے آتے پھر دل میں جا ٹھہرنا
اے جانِ ناز آجا آنکھوں کی راہ دل میں ان خشک تیوروں سے مشکل ہے کیا گذرنا
ہم بیخودانِ غم سے، یہ راز کوئی سیکھے جینا، مگر نہ جینا، مرنا مگر نہ مرنا
کچھ آچلی ہے آہٹ اس پائے ناز کی سی تجھ پر خدا کی رحمت اے دل ذرا ٹھہرنا

خونِ جگر کا حاصل اک شعرِ تر کی صورت
اپنا ہی عکس، جس میں اپنا ہی رنگ بھرنا

شمشیرِ حسن و عشق کا بسمل بنا دیا
تم نے تو مجھ کو پیار کے قابل بنا دیا

ہر جنبشِ نگاہ پہ مائل بنا دیا
میرا ہی مجھ کو مدِ مقابل بنا دیا

آج اک حسیں نے رشک کے قابل بنا دیا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بیدل بنا دیا

قاتل نگاہِ ناز نے بسمل بنا دیا
بسمل بنا کے پھر مجھے قاتل بنا دیا

نازک مزاجِ عشق کی اللہ ری خاطریں
اپنی نزاکتوں کو مرا دل بنا دیا

ان شاعرانِ دہر پہ ہو عشق ہی کی مار
ایک پیکرِ جمیل کو قاتل بنا دیا

دکھلا کے ایک جلوہ سراپائے حسن کا
آنکھوں کو اعتبار کے قابل بنا دیا

دونوں جہاں تو اپنی جگہ پہ ہیں برقرار
کیا چیز تھی کہ جس کو مرا دل بنا دیا

اس چشمِ مست نے مجھے مخمور کر دیا
میں نے نظر ملا کے اسے چور کر دیا

میں ان کا ہو گیا انہیں مسرور کر دیا
وہ میرے بن گئے مجھے مغرور کر دیا

سرشارِ مستیٔ بیخودی مسحور کر دیا
خود ہو گئے قریب مجھے دور کر دیا

ایک وہم اعتبار سہی دو جہاں مگر
اس اعتبارِ وہم نے مجبور کر دیا

ہشیار او نگاہِ ستم آشنائے دوست
شیشہ نہیں ہے دل کہ جسے چور کر دیا

وہ اور نازِ عشق گوارا کریں مگر
اتنے کھنچے ہم ان سے کہ مجبور کر دیا

اب حسن کو بھی آنچ سے اس کی مفر نہیں
اتنا مزاجِ عشق کو محرور کر دیا

یہ عشق وہ بلا ہے کہ حسنِ ازل کو بھی
تخلیقِ کائنات پہ مجبور کر دیا

ان کو بھی نازِ فتح اگر ہو تو بات ہے
مجھ کو تو ہر شکست نے مغرور کر دیا

فیض جمالِ دوست کے قربان جائیے
اک اک نفس کو صاعقۂ طور کر دیا

مدت کے بعد آج تو موجِ نسیم نے
ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھی مسرور کر دیا

حسنِ ازل تو آج بھی بے پردہ ہے مگر
نظارہ کے ہجوم نے مستور کر دیا

توبہ تو کر چکا تھا مگر اس کا کیا علاج
واعظ کی ضد نے پھر مجھے مجبور کر دیا

اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب اُن کا
فصلِ حسن ہے انکی موسمِ شباب اُن کا

اوج پر جمال اُن کا جوش پر شباب اُن کا
عہدِ ماہتاب اُن کا دورِ آفتاب اُن کا

عرضِ شوق پر میری پہلے کچھ عتاب اُنکا
خاص اک ادا کے ساتھ اُف وہ پھر حجاب اُنکا

رنگ و بو کی دنیا میں اب کہاں جواب انکا
عشق فرشِ بزم اُنکا حسن فرشِ خواب اُنکا

ہم سے پوچھ اے ناصح دل گرفتگی ان کی
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالمِ پُر آب اُنکا

پھول مسکراتے ہیں دل پہ چوٹ پڑتی ہے
ہائے وہ رُخِ خنداں اُف رے وہ شباب انکے

یوں ہی کھلتے جاتے ہیں حسن و عشق کے اسرار
اک نفس سوال اپنا اک نفس جواب اُنکا

کیا اسی کو کہتے ہیں ربط و ضبطِ حسن و عشق
شوقِ ناز اپنا، نازِ کامیاب اُن کا

اسطرح سے ہوں غارت ہائے عشق کی غفلت
جاں کہ ہے صدا اُنکی دل کہ ہے رباب اُنکا

ضبط کا جنہیں دعویٰ عشق میں رہا اکثر
ہم نے حال دیکھا ہے بیشتر خراب اُن کا

اور کس کی یہ طاقت اور کس کی یہ جرأت
عشق آپ آڑ ہے اپنی حسن خود حجاب اُن کا

کہئیے حالِ دل لیکن دیکھئے کن آنکھوں سے
ہر سکون کے پردے میں حشرِ اضطراب اُن کا

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی
ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشۂ نقاب اُن کا

جیسے حُسن کی وادی جھانکتی ہو چلمن سے
نیم وا ہی آنکھوں میں اُف وہ کیفِ خواب انکا

عرضِ غم نہ کر اے دل دیکھ ہم نہ کہتے تھے
وہ گئے وہ "اونہہ" کر کے سُن لیا جواب اُنکا

تو جگر جو رُسوا ہے، تو ہی آہ رُسوا رہ
نام تو نہ کر رُسوا، خانماں خراب اُن کا

تو جگر سے مستوں پر، طعن کر نہ اے واعظ
تو غریب کیا جانے مسلکِ شراب اُن کا

تم اس دلِ وحشی کی وفاؤں پہ نہ جانا
اپنا نہ رہا جو، وہ کسی کا نہ رہے گا

مٹ جائے گی جس دن مرے سجدوں کی حقیقت
دنیا میں ترا نقشِ کفِ پا نہ رہے گا

بے پردگئ حسن سے ہیں سب یہ حجابات
پردہ جو گرا دوگے، تو پردا نہ رہے گا

وہ لاکھ مٹاتے رہیں دنیائے تمنا
کہتے ہیں جسے دل کبھی تنہا نہ رہے گا

مانا لبِ نازک کو وہ نکلیف نہ دینگے
آنکھوں سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا

اللہ یہ ساون کی گھٹائیں۔ یہ ہوائیں
کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا

اس دل کو بنایا تو ہے شائستۂ حرماں
سنتے ہیں انھیں یہ بھی گوارا نہ رہے گا

ب

ہاں نگاہِ شوق! وہ اُٹھی نقاب
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

شوق بے پایاں و جوشِ بے حساب
عشق کیا ہے اک مسلسل اضطراب

دستِ رنگین و جمالِ بے حجاب
ہے، خوش آں وقتے و خوش جامِ شراب

لکھ چکے خط، جا چکا خط کا جواب
اضطراب و اضطراب و اضطراب

آج کچھ اپنا پتا ملتا نہیں
ہیں کہاں ہم، اے نگاہِ بانیاب

کچھ کہوں، تو کیا کہوں؟ کس سے کہوں
ہے ہی خود اپنا سوال اپنا جواب

میری ہستی ہے، غبارِ کوئے دوست / مجھ سے پیدا ہر سکوں، ہر اضطراب

پوچھنا کیا، چشمِ بینا ہو تو دیکھ / دل کے ہر ذرّے میں ہیں لاکھ آفتاب

ہوش کی پھر مائلِ فرزانگی! / لا شراب، او مستِ ساقی! لا شراب

میرے جام و بادہ کی رنگینیاں / جانتا ہے حُسن کا ظالم شباب

غرقِ موجِ یاد کر دے ساقیا / تا کجا ہیں! اور دنیائے خراب

جاں سراپا، کچھ ہے راحت کچھ خلش / دل مجسّم کچھ سکوں، کچھ اضطراب

عشق کیا ہے؟ پرتوِ حسنِ تمام / شوق کیا ہے؟ حُسن کا عکسِ شباب

ان لبوں کی جاں نوازی دیکھنا / منہ سے بول اُٹھنے کو ہے جامِ شراب

مختصر ہے، شرحِ ہستی اے جگر / زندگی ہے خواب، اجل تعبیرِ خواب

غ

میرا جنونِ شوق، وہ عرضِ وفا کے بعد / وہ شانِ احتیاط تری، ہر ادا کے بعد

تیری خبر نہیں، مگر اتنی تو ہے خبر / تو ابتدا سے پہلے ہے تو انتہا کے بعد

شاید اسی کا نام، مقامِ فنا نہ ہو / نازک سا ہوتا جاتا ہے دل ہر صدا کے بعد

گو دل سے تنگ ہوں مگر آتا ہے یہ خیال / پھر جی کے کیا کروں گا دلِ مبتلا کے بعد

ہاں پھر انہیں حسین نگاہوں کا واسطہ / تھوڑا سا اور بھی مری خاطر دوا کے بعد

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر، کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصلِ بہار پر

مجھے دیں نہ غیظ میں دھمکیاں، گریں لاکھ بار یہ بجلیاں
مری سلطنت یہی آشیاں، مری ملکیت یہی چار پر

جنہیں کہئے عشق کی وسعتیں، جو ہیں خاص حسن کی عظمتیں
یہ اسی کے قلب سے پوچھئے، جسے فخر ہو غمِ یار پر

مرے اشکِ خوں کی بہار ہے، کہ مرقعِ غمِ یار ہے
مری شاعری بھی نثار ہے تری چشمِ سحر نگار پر

عجب انقلاب زمانہ ہے، مرا مختصر سا فسانہ ہے
یہی اب جو بار ہے دوش پر، یہی سر تھا زانوئے یار پر

یہ کمالِ عشق کی سازشیں، یہ جمالِ حسن کی نازشیں
یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، مری ایک مشتِ غبار پر

مری سمت سے اسے اے صبا! یہ پیام آخرِ غم سنا
ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

یہ فریبِ جلوہ ہے سربسر، مجھے ڈر یہ ہے دلِ بے خبر
کہیں جم نہ جائے تری نظر، انہیں چند نقش و نگار پر

میں رہینِ درد سہی، مگر مجھے اور چاہیے کیا جگر!
غمِ یار ہے مرا شیفتہ، میں فریفتہ غمِ یار پر

ہجومِ تجلّی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

مجھی میں رہے مجھ سے مستور ہو کر
بہت پاس نکلے بہت دور ہو کر

بس، ایک نشۂ عشق میں چور ہو کر
پڑے رہیے اس در پہ مجبور ہو کر

کہیں اُن کے روکے سے رُکتے ہیں وحشی
نہ مجبور کر دیں، جو مجبور ہو کر

وفا پر ہزار ایسی جانیں تصدق
اگر رہ نہ جائے یہ دستور ہو کر

تمہیں کچھ بھی خبر ہے، جو تم کہہ گئے ہو
خود اپنی اداؤں سے مسحور ہو کر

شبِ غم بھی تیری وفاؤں کے صدقے
نمایاں ہوئی، مطلعِ نور ہو کر

سُنائے چلے ہیں اُنھیں قصۂ غم!
بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر

سنبھل جائیں آسودگانِ محبت
نگاہیں اُٹھیں شورِ منظور ہو کر

نظر عیشِ فانی پہ کیا خاک ڈالیں
ترے دردمندانِ مہجور ہو کر

خبر بھی ہے؟ تم کیا سے کیا ہو گئے ہو
زسر تا قدم حسنِ مجبور ہو کر!

وہی نور میں ہے وہی نار میں ہے
کبھی نار ہو کر، کبھی نور ہو کر!

تجاہل، تغافل، تبسم، تکلم
یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر

ترے حسنِ مغرور سے نسبتیں ہیں
کہیں ہم نہ رہ جائیں مغرور ہو کر

جگر کی اداؤں کا اب پوچھنا کیا
تری مست نظروں سے مخمور ہو کر

نویدِ بخششِ عصیاں سے شرمسار نہ کر
گناہگار کو یارب گناہگار نہ کر

نظر ملی ہے تو اس کو بہار ساز بنا
نظر کو مائلِ رنگینیٔ بہار نہ کر

کہاں کی قربت و فرقت گذر بھی جا اے دل
یہ راہِ عام ہے، تو اس کو اختیار نہ کر

بہار اپنی جگہ پر، سدا بہار رہے ۔۔۔ یہ چاہتا ہے، تو تجزیہ[1] بہار نہ کر

گ

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ ۔۔۔ ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ

گرچہ اہلِ شراب ہیں ہم لوگ ۔۔۔ یہ نہ سمجھو، خراب ہیں ہم لوگ

شام سے آگئے جو پینے پر ! ۔۔۔ صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ

ہم کو یہ دعوائے عشق بازی ہے ۔۔۔ مستحقِ عذاب ہیں ہم لوگ !

ناز کرتی ہے خانہ ویرانی ۔۔۔ ایسے خانہ خراب ہیں ہم لوگ

ہم نہیں جانتے خزاں کیا ہے ۔۔۔ کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ

تو ہمارا جواب ہے تنہا ۔۔۔ قطعہ اور ترا جواب ہیں ہم لوگ

تو ہے دریائے حسنِ محبوبی ۔۔۔ شکلِ موج و حباب ہیں ہم لوگ

گو سراپا حجاب ہیں پھر بھی ۔۔۔ تیرے رُخ کی نقاب ہیں ہم لوگ

خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر ۔۔۔ تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ

ہم سے غفلت نہ ہو تو پھر کیا ہو ۔۔۔ رہرو ملکِ خواب ہیں ہم لوگ

جانتا بھی ہے اس کو تو واعظ ۔۔۔ جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

ہم پہ نازل ہوا صحیفۂ عشق ۔۔۔ صاحبانِ کتاب ہیں ہم لوگ

---

[1] اس لفظ کو یقیناً مشدد طریقہ پر کہنا درست نہیں۔ لیکن محض اس تکنیکی غلطی کی خاطر اپنے لطیف شعر کو ضائع نہیں کر سکتا۔

ہر حقیقت سے جو گزر جائیں — وہ صداقت مآب ہیں ہم لوگ
جب ملی آنکھ ہوش کھو بیٹھے — کتنے حاضر جواب ہیں ہم لوگ!
ہم سے پوچھو جگر کی سرمستی — محرمِ آں جناب ہیں ہم لوگ

ل

تو بھی او ناآشنائے دردِ دل — کاش ہوتا مبتلائے دردِ دل
اللہ اللہ انتہائے دردِ دل — اب تمہیں تو ہو بجائے دردِ دل
اس نظر کی بے قراری آہ آہ — باش، او گستاخ ادائے دردِ دل
دردِ دل میرے لئے گر ہو تو ہو — ہیں نہیں ہرگز برائے دردِ دل
ذرہ ذرہ ہے قیامت گاہِ عشق — صاف سنتا ہوں صدائے دردِ دل
مجھ سے شاید رہ نہ جائے کچھ کمی — آپ ہی دے لیں سزائے دردِ دل!
کچھ تغافل، کچھ توجہ، کچھ غرور — دیکھنا شانِ عطائے دردِ دل!
دردِ دل غیبت تری کیا ہو گئی — ان لبوں پر ہائے اور ہائے دردِ دل

م

حسنِ معنی کی قسم، جلوۂ صورت کی قسم — تو ہی فردوس ہے، فردوسِ محبت کی قسم
حسن کے معجزۂ وحدت و کثرت کی قسم — چشمِ حیرت میں ہے سب کچھ سرِ حیرت کی قسم

تجھ کو دیکھا، مگر اس طرح کہ دیکھا ہی نہیں
مجھ سے کچھ دل نے کہا تھا ابھی سچ ہو کہ نہ ہو
ظلم کیا ہے؟ اب تو کرم بھی ہے گوارا مجھ کو
اک نظر دیکھ تو لے پھول کھلے ہیں کیا کیا
دل کی دنیا پہ ہے اک اور ہی عالم طاری
تو بھی اب سامنے آئے تو لٹا دوں تجھ پر
مجھ سے چھپنا تجھے زیبا نہیں اے پیکرِ حسن
نگہِ حسن سے حسن کو ہم دیکھتے ہیں
تیرا احسان مٹاتا ہے مٹا دے مجھ کو
کہ ترے واسطے خود عشق ہے محبت بکنار
اب ترے حسن کے جلوے نہیں روکے رکتے
صبحِ عشرت کبھی جواب آئے تو دیکھوں نہ اسے
اب تجھے میری محبت کا یقیں ہو کہ نہ ہو
تو بھی اب وہ نہیں جو خود کو نظر آتا ہے
نگہِ ناز ہیں سب کچھ تو ہے یہ بات کہاں
اب تجھے دیکھ کے مرنا بھی گوارا ہے مجھے
تیرے ہمراہ ہیں، جان و دل و ایماں سب کچھ
اب بھی ہیں تیرے تصور سے ہی راز و نیاز
خلوتِ خاص کو اک دن تو بنا دے جلوت

اپنی کم مائیگیِ جرأت و ہمت کی قسم
حسن کافر! تیری معصوم شرارت کی قسم
تیری اس اشک بھری چشمِ ندامت کی قسم
ناوکِ غم کی قسم، سینۂ حسرت کی قسم
نگہِ ناز کے اقرارِ محبت کی قسم
تیری غیرت کی قسم، اپنی حمیت کی قسم
ہیں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم
مذہبِ عشق کی پاکیزہ شریعت کی قسم
کون کھائے گا تری چشمِ مروت کی قسم
شبنمِ اشک و گلِ داغِ محبت کی قسم
نگہِ شوق کی بیتاب طبیعت کی قسم
اپنی محبوبۂ شامِ شبِ فرقت کی قسم
میں نہ کھاؤں گا ترے دردِ محبت کی قسم
سینۂ عشق کی پوشیدہ امانت کی قسم
خلشِ درد ترے حسنِ نزاکت کی قسم
غمِ عشرت کی قسم، اشکِ مسرت کی قسم
تیری آنکھوں کے پیامِ دمِ رخصت کی قسم
اپنے اجڑے ہوئے آغوشِ محبت کی قسم
تجھ کو اپنے جگرِ شوخ طبیعت کی قسم

ن

اب ان کا کیا بھروسہ وہ آئیں یا نہ آئیں
آ اے غمِ محبت تجھ کو گلے لگائیں!

بیٹھا ہوں مست و بیخود، خاموش ہیں فضائیں
کانوں میں آ رہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں

سب اُن پہ ہیں تصدق وہ سامنے نہ آئیں
اشکوں کی آرزو میں آنکھوں کی التجائیں

عشاق پا رہے ہیں ہر جرم پر سزائیں
انعام بٹ رہے ہیں، مغرور ہیں خطائیں

اس سے کبھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادائیں
کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں

مسجد میں معتکف ہے بیکار ہی تو زاہد
دو روزہ زندگی ہے، آ جب پئیں پلائیں

اس حسنِ برق وش کے دل سوختہ وہی ہیں
شعلوں سے بھی جو کھیلیں دامن کو بھی بچائیں

عاشق خراب ہستی، زاہد خرابِ تمکیں
وہ کبھی نرے کرشمے یہ کبھی نری ادائیں

جب وہ چاہتے ہیں جو کچھ وہ چاہتے ہیں
آئی ہیں میرے دل سے لب تک رہی دعائیں

اِک جام آخری تو پینا ہے اور ساقی!
اب دستِ شوق کانپے یا پاؤں لڑکھڑائیں

اب ہاتھ مل رہے ہیں، وہ خاکِ عاشقاں کو
برباد کر چکے جب اپنی ہی کچھ ادائیں!

آلودہ خاک ہی تو رہنے دے اس کو ناصح
دامن اگر جھٹک دوں جلوے کہاں سمائیں

بیتابیِ محبت، وجہِ سکونِ غم ہے
آغوشِ مضطرب میں خوابیدہ ہیں بلائیں

اشعار بن کے نکلیں جو سینۂ جگر سے
سب حسنِ یار کی تھیں بیساختہ ادائیں

کدھر ہے تیرا خیال؟ اے دل! یہ وہم کیا کیا سما رہے ہیں
نظر اُٹھا کر تو دیکھ ظالم! کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہیں

تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں وہ جیسے خود ہیں بنا رہے ہیں
نظر نظر میں سما چکے ہیں، نفس نفس میں سما رہے ہیں
کرشمے ذات و صفات کے ہیں، جمالِ قدرت دکھا رہے ہیں
کہ ہر تصور سے دور رہ کر، وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں
کہاں کی دید اور کس کا عرفاں، حواس گم ہیں نظر پریشاں
جو ایک پردہ اُٹھا رہے ہیں تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں
یہ حادثاتِ زمانہ کیا ہیں؟ اُسی کے حسنِ طلب کے جلوے
دلوں کو ٹھوکر لگا لگا کر دلوں کی دنیا جگا رہے ہیں
کرشمے ہیں حسنِ بے جہت کے افسوں ہیں چشم مناسبت کے
ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں، اُدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں
نفس نفس میں صفاتِ تازہ، حیاتِ تازہ حیاتِ تازہ
انھیں میسر ہے ذاتِ تازہ۔ جو خود کو تجھ میں مٹا رہے ہیں

قطعہ

ہماری ہستی، تمام آفت، تمام زحمت، تمام کلفت
اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت ہمیں خود اُن کو ستا رہے ہیں
ہوا کچھ ایسی ہی چل گئی ہے، دلوں کی دنیا بدل گئی ہے
وہ ہم کو مطلوب کہہ رہے ہیں۔ ہم اُن کو طالب بنا رہے ہیں
ذرا سا ایک وقفۂ محبت، اُٹھا گیا اور ہی قیامت۔
ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں

خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرورِ اُن کی
وہ ہم سے نظریں ملا رہے ہیں، ہم اُن سے نظریں چُرا رہے ہیں

نظر، نظر، التجائے پیہم، ادا ادا شکوۂ مجسم ——— !
ذرا جو بن کر بگڑ رہے ہیں تو ہم کیا کیا منا رہے ہیں

گلوں سے مستی چھلک رہی ہے سراپا بلبل چہک رہی ہے
جگر کسی گوشۂ چمن میں غزل کوئی اپنی گا رہے ہیں

کرم کوشیاں ہیں ستم کاریاں ہیں — بس اک دل کی خاطر یہ تیاریاں ہیں
چمن سوز، گلشن کی گلکاریاں ہیں — یہ کس سوختہ دل کی چنگاریاں ہیں
نہ بیہوشیاں اب نہ ہشیاریاں ہیں — محبت کی تنہا فسوں کاریاں ہیں
نہ وہ ہنسیاں ہیں نہ سرشاریاں ہیں — خودی کا ہی احساس خودداریاں ہیں
محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے — محبت کی خاموش چنگاریاں ہیں
نگاہِ تجسس نے دیکھا جہاں تک ! — پرستاریاں ہی پرستاریاں ہیں
تجلّی سے کہدو کہ ذرا ہاتھ روکے — بہت عام اب دل کی بیماریاں ہیں
نہ آزاد دل ہیں نہ بے قید نظریں — گرفتاریاں ہی گرفتاریاں ہیں
نہ ذوقِ تخیل، نہ ذوقِ تماشا — محبت ہے اب اور بے زاریاں ہیں
تغافل ہے اک شانِ محبوب لیکن — تغافل میں پنہاں خبرداریاں ہیں
کہاں ہیں، کہاں تازہ اشعار رنگیں — تری اک توجہ کی گلکاریاں ہیں
ازل سے ہے حرفِ دعا ذرہ ذرہ — خدا جانے کیا کچھ طلب گاریاں ہیں
بچھے جا رہے ہیں سب ہی دیدہ و دل — تری آمد آمد کی تیاریاں ہیں

قدم ڈگمگائے، نظر بہکی بہکی
جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں
جگر! زندگی لطف سے کٹ رہی ہے
غم آزاریاں ہیں نہ جتوں کاریاں ہیں
کہاں پھر یہ مستی، کہاں ایسی ہستی
جگر کی جگر تک ہی میخواریاں ہیں

خطاؤں سے پہلے پشیمانیاں ہیں
محبت کی معصوم نادانیاں ہیں
قیامت تری جلوہ سامانیاں ہیں
جدھر دیکھتا ہوں پریشانیاں ہیں
دل و جان و حسرت ہیں قربانیاں ہیں
خوشا وہ کہ جس کی یہ مہمانیاں ہیں
مسلسل غم دل کی عریانیاں ہیں
نگاہیں نہیں ہیں پریشانیاں ہیں
سنا کر غم و درد پچھتا رہا ہوں
پشیمانیوں کی پشیمانیاں ہیں!
ازل سے جو دل کے مقدر تری تھیں
وہی آج تک شعلہ سامانیاں ہیں
دلوں پہ حکومت، نگاہوں سے پردے
جہانبانیاں ہیں، ستم رانیاں ہیں
تجسس ہیں شامل، تحیر ہیں پنہاں
نظر سوزیاں ہیں نگہبانیاں ہیں
وہ دشواریاں عشق کی حل ہوں کیونکر
جو دشواریاں ہیں نہ آسانیاں ہیں
محبت کے جلوے نہیں حسن سے کم!
انہیں بھی مرے ساتھ حیرانیاں ہیں
ترے جلوہ جزو و کل کے تصدق!
نہ اب حسرتیں ہیں نہ حیرانیاں ہیں
غضب ہیں یہ کھنچی ہوئی ہیں مرا ساتھ دیکر
پریشانیاں کو پریشانیاں ہیں!
درِ بتکدہ! اور سجدوں پہ سجدے
جگر! واہ، کیا کفر سامانیاں ہیں

نیاز و ناز کے جھگڑے مٹائے جاتے ہیں
ہم اُن میں اور وہ ہم میں سمائے جاتے ہیں

شروعِ راہِ محبت، ارے معاذ اللہ
یہ حال ہے کہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

یہ نازِ حسن تو دیکھو کہ دل کو تڑپا کر
نظر ملاتے نہیں مسکرائے جاتے ہیں

مرے جنونِ تمنا کا کچھ خیال نہیں
لجائے جاتے ہیں دامن چھڑائے جاتے ہیں

جو دل سے اُٹھتے ہیں شعلے وہ رنگ بن بن کر
تمام منظرِ فطرت پہ چھائے جاتے ہیں!

میں اپنی آہ کے صدقے کہ میری آہ میں بھی
تری نگاہ کے انداز پائے جاتے ہیں

رواں دواں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال
کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں

کہاں منازلِ ہستی؟ کہاں ہم اہلِ فنا
ابھی کچھ اور یہ تہمت اُٹھائے جاتے ہیں

مری طلب بھی، اسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

الٰہی ترکِ محبت بھی کیا محبت ہے
بھلاتے ہیں انہیں وہ یاد آئے جاتے ہیں

سُنائے تھے لبِ نے سے کسی نے جو نغمے
لبِ جگر سے مکرر سنائے جاتے ہیں

نیازِ عاشقی کو ناز کے قابل سمجھتے ہیں
ہم اپنے دل کو بھی اب آپ ہی کا دل سمجھتے ہیں

عدم کی راہ میں رکھا ہی ہے پہلا قدم میں نے
مگر احباب اس کو آخری منزل سمجھتے ہیں

قریب آ کے منزل تک پلٹ جاتے ہیں منزل سے
نہ جانے دل میں کیا آوارۂ منزل سمجھتے ہیں

الٰہی ایک دل ہے، تو ہی اُس کا فیصلہ کر دے
وہ اپنا دل سمجھتے ہیں، ہم اپنا دل سمجھتے ہیں

کیا غرض مجھ کو ترے دل پر اثر ہے کہ نہیں
میں پرستارِ محبت ہوں، خبر ہے کہ نہیں

نہیں معلوم محبت میں اثر ہے کہ نہیں
جو ادھر ہے مری حالت وہ ادھر ہے کہ نہیں

میں نہ کھاؤں گا کبھی حسنِ تغافل کے فریب
میری جانب تری درپردہ نظر ہے کہ نہیں

اب یہ عالم ہے، کہ جو ہجر کی شب آتی ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ اس شب کی سحر ہے کہ نہیں

پوچھ مجھ سے، نہ مرے زخمِ جگر کی حالت
میرے دامن میں ہر آنسو گلِ تر ہے کہ نہیں

تو ہی کہہ دے کہ جنوں مجھ کو نہ ہو کیونکر عزیز
اس کو حاصل تری تائیدِ نظر ہے کہ نہیں

ڈلکتے ہیں جسے اس کی حقیقت معلوم
ورنہ اک سلسلۂ شام و سحر ہے کہ نہیں

اک نظر دیکھ تو لے، دل کے مٹانے والے
ابھی اس خاک میں طوفانِ شرر ہے کہ نہیں

پوچھتا پھرتا ہوں اک ایک سے اس کوچے میں
جس کا دیوانہ ہوں، اس کو بھی خبر ہے کہ نہیں

اور درکار ہے کیا؟ تیری توجہ کے لیے
آہ ظالم مری! محرومِ اثر ہے کہ نہیں

عشق بے جذب ہوئے رہ نہیں سکتا ہرگز
تیری ہر شان میں اک شانِ جگر ہے کہ نہیں

لے اٹھا جاتا ہوں میں جھاڑ کے دامن اپنا
پھر نہ کہنا مرا دیوانہ جگر ہے کہ نہیں

⁘

ترے بیان میں قاصد کچھ اشتباہ نہیں
جز اس قدر کہ یہ فرمودۂ نگاہ نہیں

نہ ہو جو حسن کی ہم پر کوئی نگاہ نہیں
ہم اہلِ عشق ہیں پابندِ رسم و راہ نہیں

خود اپنے حسن کی تاثیر کو وہ کیا جانے
تری نگاہ ہے ظالم، مری نگاہ نہیں

جفائے حسن کا صدقہ سزائے حسن کی خیر
گناہِ عشق سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں

ہزار چشمِ عنایت ہوا پھر بھی کیا حاصل
وہ ایک شے بھی، اگر شاملِ نگاہ نہیں

انہیں بھی دست بہ دل بیقرار دیکھ لیا
سنا تھا عشق کی آنکھیں تو ہیں نگاہ نہیں

دل حریفِ حال و بے حالی نہیں
اس چمن کا اب کوئی مالی نہیں

دیکھنا دل سے سلوکِ چشمِ یار!
شیشہ خالی ہے مگر خالی نہیں

ہاں مبارک شغل ہے زاہد! مگر
کچھ نہیں گر ہمتِ عالی نہیں

اللہ اللہ یہ ہے غم کی وسعتیں
کوئی حاکم درد سے خالی نہیں

اس طرف بھی دیکھ، او محشر خرام — کم مری دنیائے پامالی نہیں
حسن ہے اس طرح سرگرمِ خرام — عشق کو احساسِ پامالی نہیں
عشق رنگِ حسن سے ہے بے نیاز — حسن کیفِ عشق سے خالی نہیں

شوق بھی دل میں رہے ہمراہِ دوست
اب تو اتنی بھی جگہ خالی نہیں!

لفظ و معنے میں نہیں جلوہ و صورت بھی نہیں — عشق اک چیز ہے جو حرفِ حکایت بھی نہیں
وہ حقیقت کہ جو محدودِ حقیقت بھی نہیں — دل کی وسعت میں ہے کونین کی وسعت بھی نہیں
غم میسر ہے ترا، غم پہ نہ کیوں نالہ کروں — یہ بھی کیا کم ہے! کہ جو عشق کی قسمت بھی نہیں
وہ جو اک ربطِ محبت ہے مٹانا اس کا — میری طاقت میں نہیں آپکی قدرت میں بھی نہیں
جلوہ پھر جلوہ ہے نظارہ ہے پھر نظارہ — حیرت آئینے میں کب ہے۔ آئینہ حیرت میں بھی نہیں
یوں بھی تکمیلِ غمِ عشق ہوا کرتی ہے — اس کی قسمت میں ہوں جو میری قسمت میں نہیں

ہر نفس میں ہے یہاں جلوۂ نو کا عالم
غمِ فرقت بھی مرا اب غمِ فرقت میں نہیں

غمِ عاشقی کا صلہ چاہتا ہوں — خود اپنی نظر سے گرا چاہتا ہوں
بلا پر نزولِ بلا چاہتا ہوں ـــــ! — سزاوارِ غم ہوں، سزا چاہتا ہوں
محبت بقیدِ وفا چاہتا ہوں — بڑا ناسمجھ ہوں یہ کیا چاہتا ہوں
جنونِ محبت یہاں تک تو پہنچا — کہ ترکِ محبت، کیا چاہتا ہوں
وہ یوں پرسشِ شوق فرما رہے ہیں — کوئی خود یہ کہہ دے سزا چاہتا ہوں
طلسمِ تمنا سمجھ میں نہ آیا — کوئی مجھ کو سمجھائے کیا چاہتا ہوں

ظہورِ دو عالم، اک اعجاز جس کا
اسی نقشِ پا پر مٹا چاہتا ہوں!

کہاں تک ہیں یہ رنگ و بو کی بہاریں
تجھے دیکھ کر، دیکھنا چاہتا ہوں

کہیں ٹوٹ جائے نہ دل بے کسی سے
نگاہِ کرم آسرا چاہتا ہوں

محبت ہی اپنا بھی مذہب ہے لیکن
طریقِ محبت، جدا چاہتا ہوں

محبت میں کیا کیا ستم دیکھتے ہیں
بہت فرصتِ شوق کم دیکھتے ہیں

غم و درد و رنج و الم دیکھتے ہیں!
محبت دکھاتی ہے ہم دیکھتے ہیں

وہاں اپنی ہستی کو ہم دیکھتے ہیں
جہاں موت کا سر قلم دیکھتے ہیں

کہاں تیرے جلوے کہاں اپنی نظریں
غنیمت ہے جو کوئی دم دیکھتے ہیں

وہ کیا دیکھ سکتے ہیں اپنی ادائیں
ہمیں دیکھتے ہیں، جو ہم دیکھتے ہیں

ہماری نظر سے کبھی دیکھ تو جانیں
بہت بے نیازانہ ہم دیکھتے ہیں۔

تجھے بھی کسی دن سمجھنا ہے ظالم
ابھی اور اے چشمِ نم دیکھتے ہیں!

نگاہِ محبت دکھاتی ہے سب کچھ
نہ تم دیکھتے ہو، نہ ہم دیکھتے ہیں

غنیمت تھا حرمانِ امید افزا
سو یہ حال بھی اب تو کم دیکھتے ہیں

نہ جانے! محبت ہے کیا چیز لیکن
بڑی ہی محبت سے ہم دیکھتے ہیں

محبت کی محبت تک ہی جو دنیا سمجھتے ہیں
خدا جانے وہ کیا سمجھے ہوئے ہیں، کیا سمجھتے ہیں

جمالِ رنگ و بو تک حسن کی دنیا سمجھتے ہیں
جو حرفِ آشنا سمجھتے ہیں وہ آخر کیا سمجھتے ہیں

کمالِ تشنگی ہی سے بجھا لیتے ہیں پیاس اپنی
اسی تپتے ہوئے صحرا کو ہم دریا سمجھتے ہیں

سمجھنے دے اٹھیں اے غیرتِ جوشِ جنوں ظالم
جہاں تک جاتے ہیں خود کو وہ اپنا سمجھتے ہیں

ہم اُن کا عشق کیا! اُن کے غم کے بھی نہیں قابل
یہ اُنکی مہربانی ہے کہ وہ ایسا سمجھتے ہیں

یہ کیا طاقت کہ ہم پر ڈالسکے ترچھی نظر کوئی
مگر اس جانِ محبوبی کو مستثنےٰ سمجھتے ہیں

ہمیں ہیں عشق کے مارے ہمیں پر ہے نظر اُنکی
ہمیں اپنا بنایا ہے ہمیں اپنا سمجھتے ہیں

محبت میں نہیں ہیں سیرِ مناظر کی ہمیں پروا
ہم اپنے ہر نفس کو اک نئی دنیا سمجھتے ہیں

نگاہِ شوق پہ کچھ جا کھلا ہے رازِ مستوری
وہ خود جلوہ ہے اُن کا سب جسے پردا سمجھتے ہیں

اشاروں میں لُٹا دیتے ہیں دولت دین و دنیا کی
مگر اپنی محبت کو وہ صرف اپنا سمجھتے ہیں

سنے دنیا کے پردے انکو دھوکا دے نہیں سکتے
ازل کے دن سے جو رازِ دنیا سمجھتے ہیں

خبر اس کی نہیں ان خام کارانِ محبت کو
اسی کو دکھ بھی دیتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں

فضائے نجد ہو یا قیسِ عامر اے جگر ہم کو
جو کچھ ہے ہم اُسے عکسِ رُخِ لیلیٰ سمجھتے ہیں

رند جو مجھ کو سمجھتے ہیں انھیں ہوش نہیں
میکدہ ساز ہوں میکدہ بردوش نہیں

کونسا جلوہ یہاں آتے ہی بے ہوش نہیں
دل مرا دل ہے کوئی ساغرِ سرجوش نہیں

مرنے والے تجھے مرنے کا بھی کیا ہوش نہیں
حال کا آغوش ہے یا یہ موت کا آغوش نہیں

پاؤں اُٹھ سکتے نہیں منزلِ جاناں کے خلاف
اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں

حسن سے عشق جدا ہے عشق سے حسن جدا
کونسی شے ہے؟ جو آغوش در آغوش نہیں

مٹ چکے ذہن سے سب یادِ گذشتہ کے نقوش
پھر بھی اک چیز ہے ایسی کہ فراموش نہیں

ایک گوشے میں سمٹ آئے ہیں دونوں عالم
میرا دامن ہے کسی اور کا آغوش نہیں

اب تو تاثیرِ غمِ عشق یہاں تک پہنچی
کہ ادھر ہوش اگر ہے تو اُدھر ہوش نہیں

زیست ہے زیست جو رگ رگ میں رواں ہے مئے عشق
موت ہے موت اگر رقص نہیں جوش نہیں

کبھی ان مدبھری آنکھوں سے پیا تھا اک جام — آج تک ہوش نہیں، ہوش نہیں، ہوش نہیں

عشق اگر حسن کے جلووں کا ہے مرہونِ کرم — حسن بھی عشق کے احساں سے سبکدوش نہیں

اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں — میری آغوش کو اب حسرتِ آغوش نہیں

محوِ تسبیح تو سب ہیں مگر ادراک کہاں — زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

مل کے اک بار گیا ہے کوئی جس دن سے جگر
مجھ کو یہ وہم ہے جیسے مرا آغوش نہیں

مٹ کے بھی کب تک نگاہِ شوق کو رسوا کریں — زندگی تجھ کو کہاں پھینک آئیں آخر کیا کریں

جذبِ دل ممکن نہیں تو چشمِ دل ہی وا کریں — وہ ہمیں دیکھیں نہ دیکھیں ہم انہیں دیکھا کریں

لے میں قرباں مل گیا عرضِ محبت کا صلہ — ہاں اسی انداز سے کہہ دو تو پھر ہم کیا کریں

دیکھیے کیا شور اٹھتا ہے حریمِ ناز سے — سامنے آئینہ رکھ کر خود کو اک سجدہ کریں

ہائے رے یہ مجبوریاں، محرومیاں، ناکامیاں — عشق آخر عشق ہے، تم کیا کرو ہم کیا کریں

عشق خود اپنی جگہ عینِ حقیقت ہے جگر
عشق ہی میں کیوں نہ شانِ دلبری پیدا کریں

جب اپنا اپنا غم احباب سے احباب کہتے ہیں — بہت بیتاب سنتے ہیں بہت بیتاب کہتے ہیں

جھلکتی ہی گنگا ہے، نہا لے جس کا جی چاہے — نہ بے پایاں بتائے ہیں نہ ہم پایاب کہتے ہیں

زمانے بھر کی دولت کو غمِ جاناں سے کیا نسبت — یہی نعمت ہے، وہ نعمت جسے نایاب کہتے ہیں

عطا کر اے جمالِ حسن! وہ داغِ محبت بھی — زبانِ عشق میں جس کو گلِ شاداب کہتے ہیں

عبادت گاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا — خمِ ابروئے جاناں کو خمِ محراب کہتے ہیں

اسی صورت سنا دیتے ہیں اُن کو واردات اپنی — کہ جیسے ہم کسی کی داستانِ خواب کہتے ہیں

الٰہی آگ ہی لگ جائے تاثیرِ محبت کو
وہ آج اپنا کبھی غم، یا دیدہ پُر آب کہتے ہیں

محبت جن کی اک اک موج میں لہریں لیتی عمر
ہم ایسے آنسوؤں کو گوہرِ یک آب کہتے ہیں

ہمارا بھی زمانہ تھا کبھی اے عشق سنتے ہیں
ہمارے پاس بھی تھا اک دلِ بیتاب کہتے ہیں

محبت کی ہر اک موجِ بلا ہے بحرِ بے پایاں
خوشا وہ اہلِ ہمت پھر بھی جو پایاب کہتے ہیں

کبھی پانی بھی جن آنکھوں کے ماروں نے نہیں مانگا
انہیں آنکھوں کے ماروں کو جگر سیراب کہتے ہیں

اللہ اللہ عشق کی رعنائیاں
حسن خود لینے لگا انگڑائیاں

ہائے وہ غم کی کرم فرمائیاں
بھیگی راتیں، اور وہ تنہائیاں

عشق ہے ہر موئے تن سے نغمہ زن
بج رہی ہیں ہر طرف شہنائیاں

کوئی دیکھے تو حریمِ شوق میں
خلوتوں کی انجمن آرائیاں

یادِ ظالم کو تم اپنی روک لو
لوٹے لیتی ہے مری تنہائیاں

دل کی چوٹیں ابھری آتی ہیں تمام
عشق کی چلنے لگیں پُروائیاں

حسن کی جانِ توجہ بن گئیں!
بڑھتے بڑھتے عشق کی رسوائیاں

سامنے جیسے وہ خود ہیں جلوہ گر
اللہ اللہ یہ حجاب آرائیاں

خود بڑھے آتے ہیں وہ میری طرف
کوئی دیکھے تو مری پسپائیاں

اب کہاں انساں جسے انساں کہیں
چلتی پھرتی دیکھ لو پرچھائیاں

غیر تو غیر اپنے سائے سے بھی ہم
دیکھنا اس دل کی وحشت زائیاں

حسن بھی ہے عشق بھی ہے جلوہ گر
ایک دل اور اس کی یہ پہنائیاں

کون پہنچا تا فرازِ بامِ حسن
کس نے دیکھیں عشق کی گہرائیاں

رہ گئی رکھی ہی عقلِ پختہ کار
عشق کی کام آ گئیں خود رائیاں
حسن کے بھی ڈگمگاتے ہیں قدم
عشق کرتا ہے جہاں دارائیاں
یاد ہے اب تک حسنِ آغازِ عشق
شب ہمہ شب وہ خیال آرائیاں
عشق کی بڑھنے تو دو بربادیاں
کام آئیں گی یہ صحرا زادیاں
اللہ اللہ اعتبارات نظر
اور پھر ان سب کی بے بنیادیاں
اس نگاہِ ناز ہی سے پوچھئے
اک اسیرِ شوق کی صیادیاں
خود نہ تھی اپنی بھی جب کچھ کو خبر
یاد کرائے عشق! وہ آزاریاں
کشورِ دل ہی میں گھٹ کر رہ گئیں
کیسی کیسی نازنین شہزادیاں
عشق خود کرتا ہے اعلانِ شکست
حسن خود بھیجے مبارکبادیاں۔!

نگاہوں کا مرکز بنا جا رہا ہوں۔!
محبت کے ہاتھوں لٹا جا رہا ہوں
میں قطرہ ہوں لیکن بہ آغوشِ دریا
ازل سے ابد تک بہا جا رہا ہوں
مبارک مبارک مری یہ فنا ئیں
دو عالم پہ چھایا چلا جا رہا ہوں
وہی حسن جس کے ہیں یہ سب مظاہر
اسی حسن میں حل ہوا جا رہا ہوں
یہ کس کی طرف سے یہ کس کی طرف کو
میں ہم دوشِ موجِ فنا جا رہا ہوں
نہ جانے کہاں سے، نہ جانے کدھر کو
بس اک اپنی دھن میں اُڑا جا رہا ہوں
مجھے روک سکتا ہو کوئی تو روکے
کہ چھپ کر نہیں بر ملا جا رہا ہوں
میرے پاس آؤ، ہیر کیا سامنے ہوں
مری سمت دیکھو، یہ کیا جا رہا ہوں

نگاہوں میں منزل مری پھر رہی ہے — یوں ہی گرتا پڑتا چلا جا رہا ہوں!

تری مست نظریں غضب ڈھا رہی ہیں — یہ عالم ہے جیسے اڑا جا رہا ہوں!

کدھر ہے؟ تو اے غیرتِ حسنِ خود بیں — محبت کے ہاتھوں بکا جا رہا ہوں

نہ ادراکِ ہستی، نہ احساسِ مستی — جدھر چل پڑا ہوں چلا جا رہا ہوں

نہ صورت نہ معنیٰ، نہ پیدا نہ پنہاں
یہ کس حسن میں گم ہوا جا رہا ہوں

عہدِ رنگین کی یادگار ہوں میں — یعنی اپنا ہی سوگوار ہوں میں

آہ بیتابِ انتظار ہوں میں — دل کی اک آخری پکار ہوں میں

ذرۂ آستانِ یار ہوں میں — صد مہ و مہر در کنار ہوں میں

میری ہستی کا واہ کیا کہنا — تیری ہستی کا پردہ دار ہوں میں

نہ سہی تو ترا خیال تو ہے — یوں بھی فردوس در کنار ہوں میں

اُف جواں مرگیاں محبت کی — ہائے کس کس کا سوگوار ہوں میں

نکہتِ گل کا بھی دماغ نہیں — کتنا آزردۂ بہار ہوں میں

وہ حقیقت ہے خود مری ہستی — جس حقیقت کا پردہ دار ہوں میں

اللہ اللہ نہ اتنی بے صبری — اپنی خاطر پہ بھی تو بار ہوں میں

تجھ کو تکلیفِ صد نظر ہے ابھی — اپنے ہونے پہ شرمسار ہوں میں

مجھ کو رنگِ خزاں سمجھ کے نہ دیکھ
مژدۂ آمدِ بہار ہوں میں!!

جو نہ کعبے میں ہے محدود نہ بت خانہ میں — ہائے وہ اور اک اجڑے ہوئے کاشانے میں

ملتی ہے عمرِ ابد عشق کے میخانے میں
اے اجل تو بھی سما جائے مرے پیمانے میں

ہم کبھی آتے ہیں واعظ ترے بہکانے میں
اسی میخانے کی مٹی اسی میخانے میں!

سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں
خلد شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں

حرم و دیر میں رندوں کا ٹھکانا ہی نہ تھا
وہ تو یہ کہیے اماں مل گئی میخانے میں

بام پر آکے اٹھا دو رخِ تاباں سے نقاب
اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں

آج تو کر دیا ساقی نے مجھے مستِ الست
ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں

آج ساقی نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے
کبھی میخانے سے باہر کبھی میخانے میں

آپ سمجھیں تو سہی ربطِ محبت کیا ہے
اپنا افسانہ ملا کر مرے افسانے میں لے

بھول کر تو نے اے شیخ بھرم کھول دیا
تو تو مسجد میں ہے نیت تری میخانے میں

مشغلے ہوتے ہیں جو شیخ و برہمن میں جگر
رند سن لیتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

شاعرِ فطرت ہوں میں جب فکر فرماتا ہوں میں
روح بن کر ذرے ذرے میں سما جاتا ہوں میں

آکے تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

جس قدر افسانۂ ہستی کو دہراتا ہوں میں
اور بھی بیگانۂ ہستی ہوا جاتا ہوں میں

جب مکان و لامکاں سب سے گزر جاتا ہوں میں
اللہ اللہ تجھ کو خود اپنی جگہ پاتا ہوں میں

تیری صورت کا جو آئینہ اسے پاتا ہوں میں
اپنے دل پر آپ کیا کیا ناز فرماتا ہوں میں

یک بیک گھبرا کے جتنی دور ہٹ آتا ہوں میں
اور بھی اس شوخ کو نزدیک تر پاتا ہوں میں

لے سطحی نظر سے اگر دیکھا جائے تو ردیف "میں" صحیح نہ ہوگی، بلکہ اس کی جگہ "سے" درست ہے لیکن میں اس محل خاص پر "ردیف "میں"" ہی میں مناسب سمجھتا ہوں (جگر عفی عنہ)

میری ہستی شوقِ پیہم، میری فطرت اضطراب | کوئی منزل ہو مگر گزرا چلا جاتا ہوں میں
ہائے ری مجبوریاں، ترکِ محبت کے لئے | مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ اور ان کو سمجھاتا ہوں میں
میری ہمت دیکھنا، میری طبیعت دیکھنا | جو سلجھ جاتی ہے گتھی پھر سے الجھاتا ہوں میں
حسن کو کیا دشمنی ہے عشق کو کیا بیر ہے | اپنے ہی قدموں کی خود ٹھوکریں کھاتا ہوں میں
تیری محفل تیرے جلوے پھر تقاضا کیا ضرور | لے اٹھا جاتا ہوں ظالم لے چلا جاتا ہوں میں
تا کجا یہ پردہ داری ہائے عشق و لافِ حسن | ہاں سنبھل جائیں دو عالم ہوش میں آتا ہوں میں
میری خاطر اب وہ تکلیفِ تجلی کیوں کریں | اپنی گردِ شوق میں خود ہی چھپا جاتا ہوں میں
دل مجسم شعر و نغمہ، وہ سراپا رنگ و بو | کیا فضائیں ہیں کہ جن میں حل ہوا جاتا ہوں میں
تا کجا ضبطِ محبت، تا کجا دردِ فراق | رحم کر مجھ پر کہ تیرا راز کہلاتا ہوں میں
واہ رے شوقِ شہادت کوئے قاتل کی طرف | گنگناتا، رقص کرتا، جھومتا جاتا ہوں میں
یا وہ صورت خود جہانِ رنگ و بو محکوم تھا | یا یہ عالم اپنے سائے سے دبا جاتا ہوں میں
دیکھنا اس عشق کی یہ طرفہ کاری دیکھنا | وہ جفا کرتے ہیں مجھ پر اور شرماتا ہوں میں

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگر
ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں

۹

الٰہی ایک دعا ہے اگر قبول نہ ہو | بہت غریب یہ دل ہے کبھی ملول نہ ہو
تجھے کبھی شاق نہ ہو، شوق کبھی ملول نہ ہو | نظر قبول ہوئی ہے، اثر قبول نہ ہو
دعا ہے مرگ تو مانگی ہے آج گھبرا کر | میں کیا کروں گا جو یہ بھی اسے قبول نہ ہو

کمال عشق! یہ توفیق چاہتا ہوں میں
حصولِ جلوہ باندازۂ حصول نہ ہو

جسے ہم اپنی محبت کا زخم کہتے ہیں
ترے ہی عارضِ رنگیں کا کوئی پھول نہ ہو

کسی کے خاطرِ نازک کا آگیا ہے خیال
دعائیں مانگ رہا ہوں دعا قبول نہ ہو

جو تیرے ہجر میں سر کا راز فاش کرے
ترے جناب میں وہ دل کبھی قبول نہ ہو

کوئی گناہ نہیں، شوقِ دید ذوقِ نظر
مگر جو فرصتِ نظارگی کو طول نہ ہو

ستم ہو، قہر ہو، آفت ہو، بلا ہو
یہ سب کچھ ہو، مگر یہ دل رو رہا ہو

کسی کے غم میں کوئی رو رہا ہو!
کوئی پردے سے چھپ کر دیکھتا ہو

بتاؤ کیا تمہارے دل پہ گزرے
اگر کوئی تمہیں سا بے وفا ہو

حسن کے ہاتھ میں گر عشق کی تلوار نہ ہو
کوئی یوں جھوم کے سر دینے کو تیار نہ ہو

وصل شایاں نہ رہے ہجر سزاوار نہ ہو
میں کہیں کا نہ رہوں تو جو طرفدار نہ ہو

میں بھی ہر حال کو اب ہجر بنا دوں تو سہی
میرا انکار ترے وصل کا انکار نہ ہو

میں خطا وار سیہ کار، گناہگار مگر!
کس کو بخشے تری رحمت جو گناہگار نہ ہو

مجھ کو سب کچھ دیا اک بت نے مگر یہ کہہ کر
تجھ کو اللہ کرے کچھ بھی سزاوار نہ ہو

میں چلوں عشق میں وہ راہ جو ہو سب سے الگ
کچھ سجھائی نہ دے اور سطح بھی ہموار نہ ہو

آتشِ شوق تو بھڑکی ہے بھڑکتی ہی رہی
مجھ کو اللہ کرے تو بھی سزاوار نہ ہو

مانگ نظارۂ بے جلوہ کی توفیق جگر
یہ طلب وہ ہے کوئی جس کا طلبگار نہ ہو

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظرِ رحمتِ سلطانِ مدینہ

تو صبحِ ازل آئینۂ حسنِ ازل بھی
اے صلی اللہ صورتِ سلطانِ مدینہ

دامانِ نظر تنگ و فراوانیِ جلوہ
اے طلعتِ حق، طلعتِ سلطانِ مدینہ

اے خاکِ مدینہ تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے، تو جنتِ سلطانِ مدینہ

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ

اک ننگِ غمِ عشق بھی ہے منتظرِ دید
صدقے ترے اے صورتِ سلطانِ مدینہ

کونین کا غم، یادِ خدا، وردِ شفاعت
دولت ہے یہی دولتِ سلطانِ مدینہ

اے عالمِ تکوین! ترے اسرارِ حقیقت
منجملہ اک آیتِ سلطانِ مدینہ

ظاہر میں غریب الغربا پھر بھی یہ عالم
شاہوں سے سوا سطوتِ سلطانِ مدینہ

اس امتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ

اے جان بلب آمدہ، ہشیار خبردار
وہ سامنے ہیں حضرتِ سلطانِ مدینہ

کچھ ہم کو نہیں کام جگر! اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

میری نظروں میں ہے اک جانِ وفا کا نقشہ
کس لئے دیکھا ہے؟ اس اندازِ ادا کا نقشہ

عشق ہی وقت و غربت میں برابر دونوں
یہ قیامت کا سماں ہے، وہ بلا کا نقشہ

دل میں کچھ بھی نہیں اب کفر و محبت کے سوا
جم گیا ایک بتِ ہوش ربا کا نقشہ!

تو نے دیکھا ہی نہیں تجھ سے کہوں کیا زاہد
ہائے ان شوخ نگاہوں میں حیا کا نقشہ

دل بسر ہو تو کیا ہیرِ دو عالم کی ہوس — اسی نقشے میں ہے کُل ارض و سماں کا نقشہ
دل میں جب درد اُٹھا نور کا طوفاں بھی اُٹھا — کھنچ گیا سامنے اک برقِ ادا کا نقشہ
آج جھکتی نظر آتی ہے جبینِ کونین — دیکھنا یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ

پاک رکھ اشکِ ندامت سے بہر حال جگر
دیکھنا ہے اُنھیں آنکھوں سے خدا کا نقشہ

اُف، یہ تیغ آزمائیاں توبہ — تیری نازک کلائیاں، توبہ
کیا کریں بندگانِ مجبوری ! — عاشقی کی خدائیاں، توبہ
منزلِ عشق اے خدا کی پناہ — ہر قدم کربلائیاں، توبہ
یادِ ایامِ شوق و عشق و جنوں — چرخ کی فتنہ زائیاں توبہ
لطفِ بیگانگی، معاذ اللہ — ان کی سادہ ادائیاں توبہ
حسن میں رقص کا سا اک عالم — شوق کی نے نوائیاں، توبہ
ہائے غمازیاں نگاہوں کی — اپنی بے دست و پائیاں[۱]، توبہ
اُف وہ احساسِ حسن پہلے پہل — یک بیک کج ادائیاں، توبہ
اللہ اللہ عشق کی وہ جھجک — حسن کی گھبرائیاں، توبہ
اس کے دامن پہ دل کا چھننا — ہم سے یہ بے وفائیاں توبہ
غیظ سے ابروؤں پہ وہ شکنیں — دل پہ زور آزمائیاں توبہ
آستینوں کا وہ چڑھا لینا — گوری گوری کلائیاں، توبہ

---

۱ بے دست و پا جس مفہوم میں مستعمل ہے اس اعتبار پر میں نے اُسے ایک لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس بنا پر منہ بنا لینا غلط نہیں سمجھتا (جگر)

نظروں نظروں میں کاوشِ سرِ بزم — دل ہی دل میں لڑائیاں، توبہ
سوزِ غم کی شکایتیں ہے ہے — دردِ دل کی دہائیاں، توبہ
برملا سخت رنجشیں باہم — غائبانہ، صفائیاں، توبہ
اپنے مطلب سے عشق کی چھیڑیں — ظاہری بے وفائیاں، توبہ
حسن و توہینِ عشق، ہائے غضب — اپنی وہ خودستائیاں، توبہ
غیرتِ عشق، اے معاذاللہ — ایک دم بے وفائیاں، توبہ
شبنم آلودہ، جبیں آنکھیں — رخ پہ اڑتی ہوائیاں، توبہ
اس کی غم اتقائیاں ہے ہے — اپنی بے اعتنائیاں، توبہ
سرِ سودا کی شورشیں پیہم ! — ہر طرف جگ ہنسائیاں، توبہ
رفتہ رفتہ وہ بے پناہ سکوت — سب سے ناآشنائیاں، توبہ
موت سے ہر نفس وہ رازو نیاز — موت کی ہم نوائیاں، توبہ
ناگہاں آمد آمدِ محبوب — غم کی بے انتہائیاں توبہ !
یک بیک آنکھ چار ہو جانا — دیر تک رونمائیاں، توبہ
نظروں نظروں میں سرگذشتِ فراق — دونوں جانب دہائیاں، توبہ
حسن کی لہر پھر سے دوڑا کر — اس کی معجز نمائیاں، توبہ
پھر وہی چشمِ مست و جام بدست — پھر وہی نغمہ زائیاں، توبہ
پھر وہی لب، وہی تبسمِ ناز — پھر وہی کج ادائیاں، توبہ
پھر وہ ایک بیخودی کے عالم — مل کے باہم جدائیاں، توبہ
ہاہو ہے اور پھر جنابِ جگر — پی پلا کر برائیاں، توبہ

کچھ نہ زمان و مکان کچھ نہ سفید و سیاہ
اشہد ان لا الٰہ، اشہد ان لا الٰہ

غنچہ و نسرین و گل و انجم و خورشید و ماہ
یہ بھی مری رہ گزر، وہ بھی مری رہ گزر

عشق نظر آفریں اور نظر معصیت
عشق تمنا نژاد، اور تمنا گناہ

حاصلِ صد عرضِ غم مایۂ صد عرضِ شوق
اک مترنم سکوت، اک تبسم نگاہ

ی

دل میں ایک رشکِ حور رہتا ہے
پاس رہتا ہے، دور رہتا ہے

میں تو دکھوں ہزار پہلو میں
کب دلِ ناصبور رہتا ہے

ہو گیا کیا مرید بے زاہد!
اب تجھے چہرے پہ نور رہتا ہے

پوچھنا ہے یہ ان نگاہوں سے
عشق کیوں ناصبور رہتا ہے

چشمِ ساقی کی خیر ہو یا رب
بے پیئے ہی سرور رہتا ہے

عشق مرنے پہ بھی نہیں ہٹتا
یہ تعلق ضرور رہتا ہے

وہی آہیں، وہی ہوں میں لیکن
اب دھواں دور دور رہتا ہے

سن تو اے دل یہ برہمی کیا ہے
آج کچھ درد میں کمی کیا ہے

دیکھ لو! رنگِ دوئے ناکامی
یہ نہ پوچھو کہ بے کسی کیا ہے

اپنی ناکامیِ طلب کی قسم
عین دریا ہے، تشنگی کیا ہے

جسم محدود، روح لامحدود
پھر یہ ایک ربطِ باہمی کیا ہے

اے فلک! اب تجھے تو دکھلا دوں
زورِ بازوئے بے کسی کیا ہے

ہم نہیں جانتے محبت میں
رنج کیا چیز ہے؟ خوشی کیا ہے

اک نفس خلد اک نفس دوزخ
کوئی پوچھے یہ زندگی کیا ہے

اک شوقِ دیدِ بیحد سب کچھ دکھا رہا ہے
کوئی نہ آ رہا ہے، کوئی نہ جا رہا ہے

غمِ عشق کے خزینے خوش خوش لٹا رہا ہے
اس ہاتھ کھو رہا ہے، اس ہاتھ پا رہا ہے

آنکھیں بنی ہوئی ہیں میخانۂ تصور
اک مست آ رہا ہے، اک مست جا رہا ہے

کیا ہمکو اس سے مطلب، ناصح کو کیا شکایت
میرا مٹانے والا، مجھ کو مٹا رہا ہے

معراجِ شوق کہیے یا حاصلِ تصور
جس سمت دیکھتا ہوں تو مسکرا رہا ہے

منت گزار ہوں میں اے عشقِ ناشکیبا
دل تیرے نشتروں سے تسکین پا رہا ہے

اُن کی وہ آمد آمد اپنا یہاں یہ عالم
اک رنگ آ رہا ہے اک رنگ جا رہا ہے

جب حسن و عشق دونوں رویا کریں گے مجھ کو
وہ بھی جگر! زمانہ نزدیک آ رہا ہے

اُسے حال و قال سے واسطہ نہ غرض مقام و قیام سے
جسے کوئی نسبتِ خاص ہو، ترے حسنِ برق خرام سے

مجھے دے رہے ہیں تسلیاں، وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آ کے منظرِ عام پر، کبھی ہٹ کے منظرِ عام سے

کہاں کیا؟ رہا جو مقابلہ، خطراتِ گام بہ گام سے
سرِ بامِ عشق تمام تک، رہِ شوقِ نیم تمام سے

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے تری فکر سے، تری یاد سے ترے نام سے

مرے ساقیا مرے ساقیا! تجھے مرحبا تجھے مرحبا
تو پلائے جا، تو پلائے جا، اسی چشم جام بہ جام سے

تری صبحِ عیش، ہے کیا بلا! تجھے اے فلک جو ہو حوصلہ
کبھی کر لے آ کے مقابلہ، غمِ ہجرِ یار کی شام سے

مجھے یوں نہ خاک میں تو ملا، میں اگرچہ ہوں ترا نقشِ پا
ترے جلوے جلوے کی ہے بقا، مرے شوقِ نام بنام سے

تری چشمِ مست کو کیا کہوں، کہ نظر نظر ہے فسوں فسوں
یہ تمام ہوش، یہ سب جنوں، اسی ایک گردشِ جام سے

یہ کتابِ دل کی ہیں آیتیں، میں بتاؤں کیا جو ہیں نسبتیں
مرے سجدہ ہائے دوام کو، ترے نقش ہائے خرام سے

مجھے چاہیئے وہی ساقیا! جو برس چلے، جو چھلک چلے
ترے حسنِ شیشہ بدست سے، تری چشمِ بادہ جام سے

جو اُٹھا ہے، درد اُٹھا کرے، کوئی خاک اس سے گلا کرے
جسے ضد ہو حسن کے ذکر سے، مجھے چڑ ہو عشق کے نام سے

وہیں چشمِ حور پھڑک گئی، ابھی پی نہ تھی کہ بہک گئی
کبھی یک بیک جو چھلک گئی کسی رندِ مست جام سے

تو ہزار عذر کرے مگر ہمیں یاد شکوہ ہے اور ہی کچھ جگر
ترے اضطرابِ نگاہ سے مرے احتیاطِ کلام سے

اب مرے سامنے ٹھہرے تو گلستاں کوئی
ہو چلا ہے مری صورت سے نمایاں کوئی

چھپ کے رہتا ہے کہیں رازِ گلستاں کوئی
غنچے غنچے کی زباں سے ہے گل افشاں کوئی

اب اُسے وصل کہے یا غمِ ہجراں کوئی
پردۂ یاس میں ہے سلسلہ جنباں کوئی

اس طرح آج ہے محسوس رگِ جاں کوئی
ایک اک سانس میں جیسے ہو خراماں کوئی

حیرت ہے آپ کے کیوں غیظ میں تیور بدلے
اپنی ناکام محبت پہ ہے نازاں کوئی

کیا وہ نظروں کا مری حسنِ تلاطم سمجھے
جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوۂ رقصاں کوئی

چشمِ دیوانگی، شوق یہاں بھی نہ کھل
عرصۂ حشر ہے اور مست و غزل خواں کوئی

عشق بھی رنگِ تعین کا اُٹھائے پردہ
سامنے آئے تو بے قیدِ رگِ جاں کوئی

بے حقیقت نہ سمجھ! ناصحِ ناداں اُن کو
انہیں اشکوں میں تو ہے حسن کا طوفاں کوئی

شوق نے توڑ دیے وہ بھی جو باقی تھے قیود
لوٹ لے آ کے بہارِ چمنِ جاں کوئی!

اور کیا چاہتی ہے بلبلِ شوریدہ مزاج
پردۂ گل میں ہے خود چاکِ گریباں کوئی

یک بیک سامنے آیا نہ کرے بے پردہ!
لے کے اُڑ جائے نہ یہ عالمِ امکاں کوئی

غنچے اُس کے ہیں گل اُس کے ہیں بہاریں اُس کی
خون سے اپنے بنائے جو گلستاں کوئی

نگہِ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا!
مذہبِ عشق میں ہے کفر نہ ایماں کوئی

اللہ اللہ مرے چشمِ جنوں کی لہریں
نظر آتا ہے جب چاک گریباں کوئی

چاہیے تیرے تصور سے بھی ایسے ہی گریز
کیوں کرے تجھ کو شریکِ غمِ ہجراں کوئی

ہائے وہ حسن کا انداز کہ جس وقت جگر
عشق کے بھیس میں ہوتا ہے نمایاں کوئی

نظر فروز رہے، سامعہ نواز رہے
زہے مجاز کہ وہ زینتِ مجاز رہے

کہاں جمالِ حقیقت؟ کدھر مجاز رہے
جو تیرے رُخ پہ نہ حائل حجابِ ناز رہے

ہمیں وہ اب ہیں جو کھوئے ہوئے سے پھرتے ہیں
ہمیں وہ تھے کہ ترے رازدارِ راز رہے

الٰہی اس دلِ راز آشنا کو کیا کہیئے
جو اس طرح سے کبھی نا آشنائے راز رہے

نفس کہ پردے میں بھی اسی کا عکسِ جمال
بہت نہ سوزِ محبت نفس گداز رہے

کھلا یہ راز تری جلوہ گاہِ قربت میں
جو تجھ سے دور رہے، آشنائے راز رہے

جبینِ سجدہ میں ایسی کبھی تڑپ تو نہ تھی
وہ آج خود بھی مگر شاملِ نماز رہے

ترے سوا تری محفل سے کیا غرض مجھکو
خموشِ نغمہ رہے یا سکوتِ ساز رہے

تری امانتِ غم کا تو حق ادا کر لوں
خدا کرے شبِ فرقت ابھی دراز رہے

ترے بغیر تو جینا روا نہیں مجھ کو
میں کیا کروں جو ترا غم ہی جاں نواز رہے

جراحتیں دلِ بسمل کی درد تک پہنچیں
درازدستیٔ قاتل، ابھی دراز رہے

یہ حکم خاص ہے ساقی کا آج محفل میں
جگر سوا ایک بھی کافر نہ پاکباز رہے

کچھ اس طرح وہ پسِ پردۂ مجاز رہے
حجاب ساز میں جیسے نوائے ساز رہے

نہ کوئی راز رہا ہے، نہ کوئی راز رہے
نفس نفس میں وہ خود ہی جو نغمہ خواز رہے

تری نگہ جو اسی طرح گرمِ ناز رہے
بشر تو کیا، نہ فرشتہ بھی پاکباز رہے!

خطا معاف، کسی اور کا تو ذکر ہی کیا
نیاز مند ترے مجھ سے بے نیاز رہے

جنونِ سجدہ کو، کیا اہلِ ہوس سے مطلب
نہ یہ خیال بھی کیوں شاملِ نماز رہے!

یہاں تو کام ہے اک نشترِ توجہ سے
نگاہِ قہر رہے یا نگاہِ ناز رہے۔

محبت اصلِ حقیقت، محبت اصلِ مجاز
کرم نظر تھے جو بیگانۂ مجاز رہے

جبین و سجدہ کی توہین ہے جبیں سائی
جبین و سجدہ میں کچھ بھی جو امتیاز رہے

ترے نثارِ عطا کردہ اک لطیف خلش
تمام عمر محبت کو جس پہ ناز رہے

نگاہِ ناز سے چھلکا رہا ہے مے کوئی
وہ پاکباز نہیں اب جو پاکباز رہے

زمانہ آج ہی غرقِ شراب تھا زاہد
کچھ اور دیر جو، وہ چشمِ نیم باز رہے

دکھاؤں عشق کی خودداریاں جگر میں بھی
جو ایک بات پہ قائم فرودِ ناز رہے

غزل

ملا کے آنکھ نہ محرومِ ناز رہنے دے
تجھے قسم، جو مجھے پاکباز رہنے دے

میں اپنی جاں تو قرباں کر چکوں، تجھ کو
یہ چشمِ مست ابھی نیم باز رہنے دے

ترے ہی شیوۂ عاشق کشی کی تجھ کو قسم
اسی طرح فروغ ہائے دراز رہنے دے

ہٹا نہ سینۂ عاشق سے رُخ کسی بے ادب
نگاہِ ناز کو نشتر نواز رہنے دے

گلے سے تیغِ ادا کو جدا نہ کر قاتل
ابھی یہ منظرِ راز و نیاز رہنے دے

بہ تیرِ ناز ہیں تو شوق سے چلائے جا
خیالِ خاطرِ اہلِ نیاز رہنے دے

قتیلِ غمزۂ خوں ریز ہوں نصوح معاش
اشارۂ نگہِ دل نواز رہنے دے!

بجھا نہ آتشِ پنہاں کرم کے چھینٹوں سے
دلِ جگر کو مجسّم گداز رہنے دے

غیر مسلسل

مجھے ہلاکِ فریبِ مجاز رہنے دے
نہ چھیڑ او نگہِ امتیاز! رہنے دے

یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر
خدارا اسیرِ دامانِ ناز رہنے دے

ہیں رازِ عشق کو بدگا نہ جہاں رکھوں
مگر جو مصلحتِ حسنِ ناز رہنے دے

خدا نے دی ہے یہ نعمت تو رکھ لے اُسے عیب
غرورِ حسن کو، ناعاقبتِ ناز رہنے دے

یہ بات کیا کہ حقیقت وہی مجاز وہی
مجاز ہے تو پھر اس کو مجاز رہنے دے

یہ جان ایک بلا نوش کی ہے اے ساقی
نہ پھینک درد مئے خانہ ساز رہنے دے

یہ خانقاہ نہیں پی بھی جا ارے زاہد
یہ میکدہ ہے، یہاں احتراز رہنے دے

ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن
جو عشق ہی اسے عاشق نواز رہنے دے

اُسے نہ آئینہ سمجھو وہ اور ہی شے ہے
جس آئینہ کو خود آئینہ ساز رہنے دے

لٹا دے دولتِ کونین اور میرے لئے
بس اک تبسمِ عاجز نواز رہنے دے

گداز قلب ہے جو دلِ عشق پر نہ پوچھ جگر
یہ خاص رازِ محبت ہے راز رہنے دے

حال بھی ماورائے حال بھی ہے
عشق تمکین بھی ہے جمال بھی ہے

پھر بھی تجھ سے ہزار شکوے ہیں
جانتا ہوں، مرا خیال بھی ہے

کرنے جاتے ہیں صاف عذرِ کرم
اور پھر پرسشِ ملال بھی ہے!

دل کے ہر اضطرابِ نازک میں
شانِ بیتابئ جمال بھی ہے

ہر ستم ہے کرم کے پردے میں — اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے
وہ گئے محوِ یک نظر ہو کر — اب کسے فرصتِ خیال بھی ہے
دورِ ہستی نہ منزلِ دل ہے — وصل بھی ہے نہیں وصال بھی ہے
چھائے جاتے ہیں دردِ دل بن کر — اس پہ تاکیدِ ضبطِ حال بھی ہے
حسن کے ہر جمال میں پنہاں! — میری رعنائی خیال بھی ہے
دل کو برباد کر کے بیٹھا ہوں — کچھ خوشی بھی ہے کچھ ملال بھی ہے

لاکھ رسوا سہی جگر! لیکن!
خوش نظر بھی ہے خوش خیال بھی ہے

کیا ہمیں کیجیے دنیائے رنگ و بو کی — مہلت نہ آرزو کی، فرصت نہ جستجو کی
یہ حد آخری ہے عاشق کی جستجو کی — بن بن کے مٹ رہی ہو ہر شکل آرزو کی
تم دل اسے سمجھ لو یا جانِ آرزو کی — سینے میں اب سے پہلے ایک بوند تھی لہو کی
اللہ شرم رکھ لے تو میرے جنگ جو کی — آئینہ روبرو ہے چوٹیں ہیں دوبدو کی
تو وہ بہار تازہ دنیائے رنگ و بو کی — اک بار جس نے دیکھا تا حشر آرزو کی!
طے منزلیں ہوئی ہیں یوں عشقِ آرزو کی — کچھ میں نے جستجو کی کچھ اس نے جستجو کی!
اب کیا جواب دوں میں کوئی مجھے بتا دے — وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کیوں میری آرزو کی
یہ ترکِ جستجو بھی، کیا ترکِ جستجو ہے — اس میں بھی پا رہا ہوں اک شان جستجو کی
پھر دلنوازیاں ہیں پھر چارہ سازیاں ہیں — پہچانتا ہوں نظریں اس شوخ فتنہ جو کی
ہاں نشترِ نوازش ایک اور بھی اشارہ — محسوس ہو چلی ہے جنبش رگِ گلو کی
مایوس ہو کے پلٹیں جب ہر طرف سے نظریں — دل ہی کو بت بنایا دل ہی سے گفتگو کی

یہ دل ہے، ترا دل، مجھے کیا تابِ تصرف
تو دیکھ لے، جو چیز جہاں پر تھی وہیں ہے۔

میری ہی طرح وہ بھی نہ ہو ہجر میں بیتاب
ہر سانس کے ساتھ آج اک آوازِ حزیں ہے

اس طرح نہ ہوگا کوئی عاشق بھی تو پابند
آواز جہاں دو اُسے وہ شوخ وہیں ہے

مجھ سے کوئی پوچھے ترے ملنے کی ادائیں
دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے

کیا ذوق ہے، کیا شوق ہے، کیا ربط ہے، کیا ضبط
سجدہ ہے جبیں میں، کبھی سجدہ میں جبیں ہے

ہر لحظہ نیا جلوہ، نئی آن، نئی شان
میری نگہِ شوق بھی، کیا شوخ حسیں ہے

ہیں بے اثرِ جذبِ محبت ہی سبھی لیکن
کیا کم ہے وہ میرے لئے بیتاب نہیں ہے

ہیں اور ترے ہجرِ جفاکار کے صدمے
اس بات پہ جیتا ہوں کہ مرنے کا یقیں ہے

معلوم ہیں اس سحرِ نگاہی کے کرشمے!
دنیا مرے نزدیک جو ہے بھی تو نہیں ہے

اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کھو گیا
نغموں کا تلاطم تو ہے، آواز نہیں ہے

کس کس کے سے ترے عشق میں دامن کو چھڑاؤں
کونین ہے، اور ایک مری جانِ حزیں ہے

تڑپ کر انہیں تڑپا رہا ہے
قیامت پہ قیامت ڈھا رہا ہے

عجب عالم سا دل پر چھا رہا ہے
حسین جیسے کوئی شرما رہا ہے!

نگاہوں سے نگاہیں لڑ رہی ہیں (قطعہ)
مرے دردِ محبت پا رہا ہے!

پیامِ شوق کا اب پوچھنا کیا
برابر آ رہا ہے، جا رہا ہے!

وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں
جہانِ آرزو، تھرا رہا ہے

گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں
محبت کا زمانہ آ رہا ہے!

وہ کچھ دل کو مرے سمجھا رہے ہیں
کچھ اُن کو دل مرا سمجھا رہا ہے

وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں
مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے

ازل ہی سے چمن بندِ محبت!
یہی نیرنگیاں دکھلا رہا ہے

کلی کوئی جہاں پر کھل رہی ہے
وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے!

طبیعت ہے کہ ٹھہری جا رہی ہے
زمانہ ہے کہ گزرا جا رہا ہے:

مری رودادِ غم وہ سن رہے ہیں
تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے

سنبھل بیٹھیں حریفانِ شہادت
زباں پر نامِ قاتل آ رہا ہے

غمِ دل کو، خدا آباد رکھے
نشاطِ سرمدی برسا رہا ہے

ملا ہے آج اذنِ باریابی!
ہر اک پردہ اٹھایا جا رہا ہے

جگر ہی کا نہ ہو افسانہ کوئی
در و دیوار کا حال آ رہا ہے

دل کو جب دل سے راہ ہوتی ہے
آہ ہوتی ہے، واہ ہوتی ہے

جو بجائے خود، آہ ہوتی ہے
ہائے وہ کیا نگاہ ہوتی ہے

اک نظر دل کی سمت، تو دیکھ تو لو
کبھی دنیا تباہ ہوتی ہے

حسنِ جاناں کی منزلوں کو نہ پوچھ
ہر "نفس" ایک راہ ہوتی ہے

کیا خبر تھی کہ عشق کے ہاتھوں ق
ایسی حالت تباہ ہوتی ہے

سانس لیتا ہوں دم الجھتا ہے
بات کرتا ہوں، آہ ہوتی ہے

جو الٹ دیتی ہے صفیں کی صفیں
اک شکستہ سی آہ ہوتی ہے:

یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے
دیکھو دنیا تباہ ہوتی ہے

دفعتہً یورشِ عشق، آہ، نہ پوچھ
فرصتِ اک نگاہ ہوتی ہے۔

آہ پیہم، یہ نغمۂ حیات
وہ بھی اب گاہ گاہ ہوتی ہے

وہ بھی ہے اک مقامِ عشق جہاں
ہر تمنا گناہ ہوتی ہے

وہ سرہانے کھڑے ہیں اور یہاں
رخصتِ اشک و آہ ہوتی ہے

حاصلِ حسن و عشق اسے سمجھو!
وہ جو پہلی نگاہ ہوتی ہے

ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے
مسکراہٹ بھی آہ ہوتی ہے

ہم سے پوچھو، تو عشق کی بھی نگاہ
سخنتہ کا غمزہ نگاہ ہوتی ہے

حسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے
ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے

دردِ بے وجہ کو نہ چھیڑ جگر
یہ خوشی گاہ گاہ ہوتی ہے

⁘

خار کو گل اور گل کو خار جو چاہے کرے
تو نے جو چاہا کیا اے یار جو چاہے کرے

مست و بیخود، غافل و ہشیار جو چاہے کرے
شوخیِ طرزِ تپاکِ یار جو چاہے کرے

اس نے یہ کہہ کر دیا دل کو فریبِ جستجو
حشر تک اب عاشقِ ناچار جو چاہے کرے

تھا ابھی جلوہ، ابھی پردہ، ابھی کچھ بھی نہیں
آپ کی حسرتِ دیدار جو چاہے کرے

ہر حقیقت حسن کی ہے بے نیازِ اعتراف
اب کوئی اقرار یا انکار جو چاہے کرے

⁘

عشق کی چوٹ چل ہی جاتی ہے
آہ دل سے نکل ہی جاتی ہے

خوب دو ہی فراق ہیں اے دل
کچھ طبیعت سنبھل ہی جاتی ہے

فطرتِ عشق لاکھ پتھر ہو!
اک نہ اک دن پگھل ہی جاتی ہے

موجِ خوں ہو کہ موجِ بادۂ ناب
جوشش کھا کر اچھل ہی جاتی ہے

ہم سے ایسی چلی کہ بس توبہ!
ورنہ آپس میں چل ہی جاتی ہے

کیا بتاؤں، عشق ظالم! کیا قیامت ڈھائے ہے
یہ سمجھ لو جیسے دل سینے سے نکلا جائے ہے

جب نہیں تم، تو تصور بھی تمہارا کیا ضرور
اس سے بھی کہدو! کہ یہ تکلیف کیوں فرمائے ہے

ہائے وہ عالم نہ پوچھو اضطرابِ عشق کا
یک بیک جس وقت کچھ کچھ ہوش سا آجائے ہے

کس طرف جاؤں! کدھر جاؤں کیسے آواز دوں

اے ہجومِ نامرادی! جی بہت گھبرائے ہے

کُن کہتے ہی، جلوؤں کی یہ کثرت نظر آئی
اللہ اکبر اللہ کی صورت نظر آئی

جب دل پہ نظر کی تری صورت نظر آئی
آغوشِ محبت میں محبت نظر آئی!

ہوگا تری محفل میں کوئی اور بھی جلوہ
مجھ کو تو محبت ہی محبت نظر آئی

ہر اک سے بیگانہ بن رہے ہیں، کسی کی جانب نظر نہیں ہے
خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے

فراق بھی ہے، وصال بھی ہے، ہر ایک لحظہ، ہر ایک ساعت
فراق کیا ہے؟ وصال کیا ہے؟ جو کوئی پوچھے خبر نہیں ہے

تجھے نہیں مجھ سے ربط اصلاً، یہ میں نے مانا، مگر یہ بتلا
مرے تصور میں کیوں رہے ایسا، تری توجہ اگر نہیں ہے

مری یہ ہستی، مری یہ طاقت، کہ تیرے دلدوز عشق دو کہوں
مری طرف سے یہ کون ہے پھر، جو خود وہ سینہ سپر نہیں ہے

شباب میکش، جمالِ میکش، خیالِ میکش، نگاہ میکش
خبر وہ رکھیں گے کیا کسی کی! انہیں خود اپنی خبر نہیں ہے

رباعی

صد شکر کہ پہلو میں میرے دل نہ رہا
وہ کشتۂ صد فریب منزل نہ رہا
یہ کیا کم ہے کہ تیرا بندہ ہے جگر
اس کا کیا غم کہ ترے قابل نہ رہا

بادۂ شیراز
(کلام فارسی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الف

اے گرمی پری نگار ما وجہد نگار ما — چاک شد از دست ما پردۂ اسرار ما
ما دیک نظارہ نقش و نگار چمن خوبی — شاہد طناز فطرت آئینہ بردار

صد حقیقت عرض میکردای دوستی بخوبی   پرده دار حرف مطلب شد لب گفتار ما

صد بهار خلد یعنی خنده دزدیده است
شور محشر چیست جز غوغای پس دیوار ما

بیا بجان ما ببین سرور جاودان ما   هزار باده می چکد ز جان ما به جسمان ما
شراب و ساغر و سبو گلی و بهار آب و جو   وصد جهان ز رنگ و بو نمود یک جهان ما
گلی و جام سرخوشی، خوشی و صد شگفتگی   شگفتگی و صد خوشی از سرخوشی نشان ما
نسیم شکر غم کند، سر نیاز   سر نیاز خم کند به خاک آستان ما
بیا به دور نقش جام می چه جام می تمام می   که با وفا از آن جام می خوش است بوستان ما
بقول نیستی ما نگر به رنگ و بوی ما نگر   به حسن روی ما نگر چه حاجت بیان ما

به هر زمین که جسته ایم طلسم تازه بسته ایم
غرور ها شکسته ایم گواه ما بیان ما

ت

آواز هر نگاه جرم نگاه کیست   دیدن گناه ماست نه دیدن گناه کیست
دلبرانه وار جهان بفشاندن گناه من   بیگانه وار رخ نه نمودن گناه کیست
پیدا از هر نگاه خریدم هزار حسن   پنهان به یک نگاه ندیدم نگاه کیست
مطرب نوای سرود به انداز دلبری   این دشمنی باز خوان که نگاه هم نگاه کیست
سر تسلیم را به دیده دل نه سینه صفا   عکس نگاه پرتو زلف سیاه کیست
عالم همه نگاه صدای ز هر نگاه   این عالم نگاه فریب نگاه کیست

او بخواب است و فتنه ها بیدار — حسرتِ بے قرار را چه کنم
ضبط چیزے است نا مرادی لیکن — دردِ همت شکار را چه کنم
آں گلی و آں بهار ما را بس — ایں گلی و ایں بهار را چه کنم
هجر دشوار و وصل آساں تر — لیک آئینِ یار را چه کنم
موجِ خوں از جگرم گزشت جگر
من لبِ جوئے یار را چه کنم

من که آزار کش غمزهٔ خوں ریز توام — معذرت خواه نگاهِ کرم آمیز توام
شادم، از لذتِ دیدار و ز سرگرمی خود — بیخبر از اثرِ حسنِ دلآویز توام
نگهِ لطف بفرما، بر من زار که من — نو گرفتارِ خمِ زلفِ بلا خیز توام

ن

بنشیں بخیالِ او، وز درد تہ آہے کن
زاں بعد از سر تا پا بر خویشتن نگاه کن
زلف از رخ خود بر دار و ز لطف نگاہے کن
یعنی شبِ تارم را ز تیرگیِ شبِ ماہے کن

و

مطرب بزن سرودے ساقی بیار باده — تا جاں شود منور تا دل شود کشاده
در شوقِ آرزویت سرگرم جستجویت — هم عاشقانِ رنگیں هم زاهدانِ ساده
حسنے خونِ عاشق عشقے و خوئے تسلیم — او تیغِ ناز در کفِ من سر بہ پا نهاده

دل‌ها که تیره گشتند از زنگ کفر غفلت — روشن نمی‌توان کرد تا از نور باده
چون در بهشت رفتم دیدم همین تماشا — زهاد خشک و خشک دخترانِ ساده

در کوی می‌فروشان دیدیم زاهدان را
سجاده رهن کرده، تقوی به باد داده

ای که ز روی عاشقان پرده به رخ کشیده — جانشان صبر و عقل و هوش از همه جا رمیده
از دل من نهان مشو ای که تو جانِ عاشقی — از نظر نهان مشو ای که تو نور دیده
نیم جهم ز خویشتن ور نه تو صد هزار بار — گاه ز جان گذشته‌ام گاه به دل رسیده

ی

نذر عقیدت بحضور اقدس مولائی و مرشدی قدس الله سره

دیدم که بیگانه پیر زده جوال ادائے — مژگانش بهر از تیر دلبر و نه کمان ادائے
از عشرت پے عشقت صد آه و فغان ادائے — این درد که تو دادی والله که زجان ادائے
از بارگاه حسنت یک شمه هر سو از بس — راز لیست که می‌فهمد جز چشم نگران ادائے
این یک اسم ظاهر خوشتر ز هزاران خوش — دانی یک نظر پنهان از هر دو جهان ادائے
صد سود بردی گفتی از ترکِ عشق ناصح — این نکته نه فهمیدی در عشق زیان ادائے
از قربت و از دوری هر آنچه که پسندی — حقا که نهان خوشتر حقا که عیان ادائے
هر چند در این وقت تمکین تو هم خوب است — در صلح تم لیکن مستی سمت از آن ادائے
این نظم مگر گفتی یا گل گفتی دو ده منصور — هم تنگ از بیان بهتر هم حسن بیان ادائے

بنا کر اپنے ہاتھوں سے آشیاں برباد کرتے ہیں
جو تیرا کام تھا، وہ بھی ہم اسے صیاد کرتے ہیں

اچھا ہے پاس اگر کوئی غمخوار بھی نہیں
اب میرا حال لائقِ اظہار بھی نہیں!
حسرت سے اب نگہ طرفِ یار بھی نہیں
یعنی کہ ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں!
دامان و جیب ہو گئے نذرِ جنوں تمام
باقی کفن کے واسطے اک تار بھی نہیں!
صیاد میرے دم سے ہیں سارے یہ چہچہے
جب میں نہیں تو رونقِ گلزار بھی نہیں
کچھ یہ کہ عرضِ شوق کی طاقت نہیں مجھے
اور کچھ یہ ہے کہ مصلحتِ یار بھی نہیں
وہ دل کہ جس پہ حرفِ تمنا بھی بار تھا
اب صرف شکوہ سنجیٔ اغیار بھی نہیں

دل میں ہجومِ شوق کا عالم نہ پوچھیے!
گنجائشِ خیالِ رخِ یار بھی نہیں

خوفِ صیاد سے عالم ہے یہ بیتابی کا
کہ ابھی ہوں تو ابھی صحنِ گلستاں میں نہیں
بچ رہا ہو جو کوئی جوشِ جنوں کے ہاتھوں
تار ایسا کوئی اب جیب و گریباں میں نہیں

○

عنایت کی جس پر نظر دیکھتے ہیں!
ہم اس کا دل اس کا جگر دیکھتے ہیں!
وہی راہ چلتے ہیں عشاق ان کے
کہ جس راہ کو پُرخطر دیکھتے ہیں!

فلک کے ستم، آشیاں میں ہم اپنے
سمیٹے ہوئے بال و پر دیکھتے ہیں!

ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں
رہ گئیں جو دل کے باہر نشترِ جاں ہو گئیں
حسن کی شائستگی جتنی سب نمایاں ہو گئیں
جو ترے رخ سے نکلیں رنگِ گلستاں ہو گئیں
اور بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں
ہائے وہ مخمور آنکھیں جب پشیماں ہو گئیں

لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں، فریاد نہیں !
پھر بھی کہتے ہیں کہ تو لائقِ بیداد نہیں

ضبطِ غم کا متحمل دلِ مجبور نہیں !
اب یہ جی سے بھی گزر جائے تو کچھ دور نہیں

طلبِ خلد نہیں، آرزوئے حور نہیں
تم جو مل جاؤ، تو پھر کچھ مجھے منظور نہیں !

اللہ اللہ رہی یہ رنگِ حقیقت کی بہار
کون سا خون کا قطرہ ہے جو منصور نہیں

سخت مشکل سے پڑا آج گریبان پہ ہاتھ
میں سمجھتا تھا کہ یہ فاصلہ کچھ دور نہیں !

دل سکھ ہوتے ہوئے جلتے ہو کہاں آکے ہو بھی
اس میں کچھ طلب سے ہیں ایسے کہ مرِ طلب نہیں

کیا آگیا خیال دلِ بے قرار میں !
خود آشیاں کو آگ لگا دی بہار میں

محشر میں عرضِ شوق کی امید کیا کروں
دل ہی تمھارے رہ نہ رہا! اختیار میں !

دعوتِ جنونِ عشق کی گلکاریاں نہ پوچھ
ڈوبا ہوا ہوں سر سے قدم تک بہار میں

صورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا
اک لطف آچلا تھا غمِ انتظار میں !

رگ رگ میں دل ہے دل میں تڑپ دردِ عشق کی
محشر بنا ہوا ہوں تمنائے یار میں !

تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو تیرِ نگاہِ یار
کیا لطف جب ہمیں نہ رہے اختیار میں

چھوڑا نہ تپِ عشق نے کچھ بھی کسی گھر میں !
دل سے جو لگی تھی جا کے جگر میں !

اب شمع بھی بجھتی ہے مرا دم بھی لبوں پر
کیا دیر ہے، یارب! شبِ فرقت کی سحر میں

پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت
ایسی ہی لگے آگ جو صیاد کے گھر میں !

یہی کہہ کے تسلی دلِ ناشاد کرتے ہیں
کہ ایسا بھی کبھی ہوگا وہ خود یاد کرتے ہیں

دھجیاں باقی ہیں جتنی اب ہیں کس کام کی!
جو گریباں ہونے والی تھیں گریباں ہو گئیں

ہو چلی تھیں عرضِ غم پر دہ نگاہیں تیز تیز!
پھر نہ جانے کیا خیال آیا پشیماں ہو گئیں!

عرصہ گاہِ عشق میں آزادیاں کس کو نصیب
خود مری آہیں مجھے دیوانہ وار زنداں کر گئیں

اب کہاں دل کی تمناؤں کی بزم آرائیاں
آنکھ جھپکی تھی کہ سب خواب پریشاں ہو گئیں

ان جنوں سامانیوں پر کیا رہائی کی امید
حسرتیں بھی دفن زیرِ خاکِ زنداں ہو گئیں!

عشق کی بے تابیاں کب چھوڑ سکتی ہیں مجھے
فرق اتنا ہے کہ اب آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں

دل کی تسکیں کیلئے دو پھول دامن میں نہیں
اسطرح ہوں آج گلشن میں کہ گلشن میں نہیں

چین اسیرانِ قفس کو یادِ گلشن میں نہیں!
دوڑتی بجلیاں سیلاب اشکوں تن میں نہیں

وہ گلوں پر تازگی رونق وہ گلشن میں نہیں!
خاک سی اڑتی ہے یوں جیسے نشیمن میں نہیں!

چھوٹنا قیدِ قفس سے کیا قیامت ہو گیا
اب برائے نام بھی راحت نشیمن میں نہیں!

اس طرف صیاد کی نظریں ادھر نالے مرے
یا وہ گلشن میں نہیں یا میں گلشن میں نہیں!

دید کے قابل ہے یہ رنگِ شکستِ روحی میرا!
ڈھونڈتی ہے برق مجھ کو میں نشیمن میں نہیں

کیوں خزاں میں سر جھکائے تھک کے بیٹھا ہوں!
میری نظروں میں تو ہے جو پھول گلشن میں نہیں

رک گئیں بیچ قفس میں خود میری زباں
شاید اک تنکا بھی باقی اب نشیمن میں نہیں

جوش وہ رنگینیوں کا اشکِ پیکاں میں نہیں
کیا کوئی قطرہ لہو کا اب رگِ جاں میں نہیں

کوئی دیوانہ ہی اس عہدِ پریشاں میں نہیں
ورنہ جو صحرا میں قیدی ہیں وہ زنداں میں نہیں

فیضِ سوزِ عشق سے لے دل سراپا داغ ہو
جو بہار اب مجھ میں ہے سارے گلستاں میں نہیں

نالۂ پر درد ہوئے سوزِ دل، داغِ جگر — یہ بہاریں ہیں قفس کی جو گلستاں میں نہیں

پھر نہ دیکھا ہو روح جس میں وحشتِ دل نے مری
ایک ذرہ بھی کوئی ایسا بیاباں میں نہیں!

جواب ان کا کہاں سارے جہاں میں — دبی ہیں بجلیاں جو آشیاں میں
لبوں تک جان بھی پہنچ آئی یارب — توقف کیا ہے مرگِ ناگہاں میں
جگہ پر اپنی چھوڑ آیا ہوں صیاد! — لہو کے چند قطرے آشیاں میں
اشارہ ہے کسی کی ایک نظر کا! — وگرنہ کیا ہے جانِ ناتواں میں
بتا دے بے خودیٔ عشق اتنا! — قفس میں ہوں کہ ہوں میں آشیاں میں
تمنا تھی مسرت کھول کر ایک دن رو لیا گئے! — وہ آنسو جو ہیں چشمِ رازداں میں!
مٹی جاتی ہے وحشت ہر قدم پر — چھپا جاتا ہوں گردِ کارواں میں!
یہ رنگِ اتحاد! اللہ اکبر — شبیہِ دل ہے ہر اشکِ رواں میں!
جرس سے کبھی جو اٹھ کر ہوش کھو دیا — وہ نغمے آ گیا مرے سازِ فغاں میں!
رہی لرزاں ہمیشہ ان سے بجلی — جو تنکے بچ رہے تھے آشیاں میں

کئے جا! نالے اے بلبل کئے جا!
قفس بھی مل رہے گا آشیاں میں!

یہ نہ پوچھ جو دہر میں کیسے میں اسی طرح خانہ خراب ہوں
جو نہ مٹ سکا وہ طلسم ہوں جو نہ اٹھ سکا وہ حجاب ہوں
مجھے غیر سمجھیں، نہ اہلِ دل ہمہ تن اگرچہ حجاب ہوں
جو نہاں ہے میری نظر سے بھی میں اسی کے رخ کی نقاب ہوں

نہ تعلقات کی حد کوئی، نہ توقعات کی حد کوئی
جو کبھی سمجھ میں نہ آ سکے، وہ میں ایک فردِ حساب ہوں

نہ صلائے بلبلِ خوش بیاں نہ سرودِ بزمِ پری رخاں
جو بھرا ہے نغمۂ درد سے، وہ میں ایک تارِ رباب ہوں

و

کس نے پھر سنا دردِ افسانے کو !
مرے تڑپنے سے راحت ہوئی زمانے کو

اب اس میں جان مری جا بلب ہے صیاد
بہار میں تو نہ چھوڑوں گا آشیانے کو

چلا نہ پھر کوئی مجھ پر فریب ہستی کا !
لی نہ تک آئی اجل بھی مرے مٹانے کو

فلک لو ذرا مری اس بے کسی کی داد تو دے
قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو

دل کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا !
ترے سلوک نے یوں سکھا دیا زمانے کو

قفس کی یاد میں پھر جی یہ چاہتا ہے جگر
لگا کے آگ نکل جاؤں آشیانے کو

جب کبھی چھیڑا جنوں نے دیدۂ خونبار کو
بھر دیا پھولوں سے ہم نے دامنِ کہسار کو

ٹھیس لگ جائے نہ انکی حسرتِ دیدار کو
اے ہجومِ غم سنبھلنے دے ذرا بیمار کو

فکر ہے زاہد کو حور و کوثر و تسنیم کی !
اور ہم جنت سمجھتے ہیں ترے دیدار کو

دیکھنے والے نگاہِ مستِ ساقی کے کبھی
آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغرِ سرشار کو

ہر قدم پر ہر روش پر ہر ادا پر ہر جگہ !
دیکھنا پڑتا ہے اندازِ نگاہِ یار کو

لاکھ سمجھایا جگر کو ایک بھی مانی نہ بات
دھن لگی تھی کوچۂ قاتل کی میرے یار کو !

واقفِ غمِ الفت سے نہ دل ہو نہ جگر ہو — یوں مجھ سے ہو معلوم کہ مجھے بھی نہ خبر ہو!
بے مہر ہو اور اس شوخِ ستم کا در ہو — اس طرح بسر ہو تو بہت خوب بسر ہو
اس قہر و غضب پر تو فدا دین و دل ہیں — کیا حال ہو میرا جو عنایت کی نظر ہو
سر رکھ ہی دیا سنگِ درِ یار پہ میں نے — اب حشر بھی اٹھے تو مجھے کچھ نہ خبر ہو
حالتِ دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی — اللہ کرے جلد شبِ غم کی سحر ہو!

رہ رہ کے تڑپ جاتی ہے سینے میں کوئی چیز
ایسا نہ ہو بیتاب تمہاری ہی نظر ہو!

دورِ کیف سے دل اتنا بے قرار نہ ہو — بس ڈر رہا ہوں کہ مضطر نگاہِ یار نہ ہو
شریکِ عشق، پردہ دار نہ ہو! — نظر کے سامنے کچھ بھی سوائے یار نہ ہو
نگاہِ یار کا ممکن نہیں کہ وار نہ ہو! — خود اپنا عیب ہے سینہ اگر فگار نہ ہو
دکھاؤں داغِ محبت جو ہو قصور معاف — سناؤں قصۂ فرقت جو ناگوار نہ ہو!
کہاں کے سرو و صنوبر کہاں کے لالہ و گل — نگاہ ہی میں جو کیفیتِ بہار نہ ہو!
انھیں تو دیکھ کے آئینہ [illegible] آتا ہے — کہ یہ کسی کی چشمِ انتظار نہ ہو!
عجیب زمانہ ہے کرتا نہیں اسے تسلیم — کسی سلیقہ سے اظہار جو بے قرار نہ ہو
بس اک نگاہِ محبت سے دیکھ لینا ہے — مگر یہ خاطرِ نازک پہ کوئی بار نہ ہو
نصیب دل کو ہو یوں محوِ آرزو ہوتا — کہ خود بھی چاہیں اگر وہ تو ہوشیار نہ ہو
بھرے ہوئے ہیں نگاہوں میں حسن کے جلوے — یہ کیا جمال، جہاں میں ہوں اور بہار نہ ہو
خیالِ وصل سے کر تو رہا ہوں کچھ باتیں — فریب ہی کہیں لیکن نگاہِ یار نہ ہو!
میں سن کے حضرتِ اصغر[1] کے شعرِ جگر اشعار — وہ مست ہوں کہ کوئی پی کے بادہ خوار نہ ہو

[1] جناب مولانا اصغر حسین صاحب اصغرؔ گونڈوی نوراللہ مرقدہ ۱۲ جگر

ی

نہ چھیڑ ان کے تصور میں اے بہار مجھے
کہ برے گل بھی ہے اس وقت ناگوار مجھے

تڑپ کے روح نکل جائے گی ابھی صیاد
سنا قفس میں نہ کیفیتِ بہار مجھے

نگاہِ یاس! ذرا تو ہی کام کر اپنا
کہاں وہ چھوڑ کے جاتے ہیں بے قرار مجھے

کسی کا وعدۂ دیدار میرا جذبۂ شوق
بنا نہ دے کہیں تصویرِ انتظار مجھے!

ہجوم یاس میں کوشش نہ کوئی کام آئی
تسلیوں نے کیا اور بے قرار مجھے!

کہیں مرادِ دلِ گم گشتہ ہو نہ خاک بسر
کہ دور تک نظر آتا ہے اک غبار مجھے!

جنوں کی خیر ہو یا رب کہ ضعف سے ہاتھوں
رہا نہ جیب و گریباں پہ اختیار مجھے!

—

رخ پہ جھونکوں سے جو زلفِ دوتا پھرتی ہے
کیسی متوالی گھٹا ہولے بادِ صبا پھرتی ہے

پاس جانا دلِ بیتاب سنبھل کر شبِ وصل
کبھی نظروں میں چھری بن کے حیا پھرتی ہے

کچھ کھلیں جانتے ہیں لطف ترے کوچے کے
ورنہ پھرنے کو تو مخلوق پھرتی ہے!

مدد اے جذبۂ دل اے حوصلۂ دردِ فراق
مجھ سے جل کر نگہِ ہوش ربا پھرتی ہے!

بھول سکتا ہوں کہیں ان کی محبت کے مزے
میری آنکھوں میں وہ ایک ایک ادا پھرتی ہے

دل کہ شعلے کے داغِ تمنا دیا مجھے!
اے عشق تیری خیر ہو یہ کیا دیا مجھے

محشر میں بات بھی نہ زباں سے نکل سکی
کیا جھک کے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

میں اور آرزوئے وصالِ پری رخاں
اس عشق سادہ لوح نے بہکا دیا مجھے!

ہر بار یاسِ ہجر میں دل کی ہوئی شریک
ہر مرتبہ امید نے دھوکا دیا مجھے!

اللہ رے تیغِ عشق کی برہم مزاجیاں — میرے ہی خونِ شوق میں نہلا دیا مجھے!
خوش ہوں کہ حسنِ یار نے خود اپنے ہاتھ سے — اک دلفریب داغِ تمنا دیا مجھے!
دنیا سے کھو چکا تھا مرا جوشِ انتظار — آوازِ پائے یار نے چونکا دیا مجھے!

دعوے کیا تھا ضبطِ محبت کا اے جگر!
ظالم نے بات بات پہ تڑپا دیا مجھے!

ہم اور ان کے سامنے عرضِ نیازِ عشق — لیکن ہجومِ عشق سے مجبور ہو گئے!
آئی ہے موت منزلِ مقصود دیکھ کر — اتنے ہوئے قریب کہ ہم دور ہو گئے۔
کچھ بات بن پڑی نہ دلِ داد خواہ سے — کیا جانے کیا وہ کہہ گئے نیچی نگاہ سے
کوئی نہ بچ سکا۔ تری قاتل نگاہ سے — ذرے بھی صید تھے ہو گئے اٹھ اٹھ کے راہ سے

یہ جانتا ہوں جانتے ہو میرا حالِ دل
یہ دیکھتا ہوں دیکھتے ہو کس نگاہ سے

اس درجہ محوِ لذتِ رنج و محن ہوئے — ناوک بھی اس نگاہ کے جزوِ بدن ہوئے
ہر وقت تازہ چاہیئے غم کی نشانیاں — جو داغ بھی پڑے تھے وہ داغِ کہن ہوئے

غربت کا رشک بھی نہ گوارا ہوا جگر!
کہتے ہیں میرے بعد غریب الوطن ہوئے

کیا خبر تھی خلشِ ناز نہ جینے دے گی — یہ تری پیار کی آواز نہ جینے دے گی
قہر کی لاکھ نگاہوں کی ضرورت کیا تھی — لطف کی اک نگہِ ناز نہ جینے دے گی
چین آتا ہی نہیں مجھ کو قفس میں یارب — کیا مری حسرتِ پرواز نہ جینے دے گی!
مسلکِ عشق ہوا تجھ کو نہ مرنے دے گا — تری شوخی ہائے ستم ناز نہ جینے دے گی!

کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی
اُف کرکے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی

ہوتی ہی نہیں کم شبِ فرقت کی سیاہی
رخصت ہوئی کیا شام کے ہمراہ سحر بھی

یہ جرمِ اُلفت ہے تو وہ جرمِ دیدار !
دل لے کے چلے ہو تو لیے جاؤ نظر بھی

کیا دیکھیں گے ہم جلوۂ محبوب کو ہم سے
دیکھی نہ گئی دیکھنے والے کی نظر بھی

مایوس شبِ ہجر نہ ہو اے دلِ بیتاب
اللہ دکھائے گا تو دیکھیں گے سحر بھی!

جلووں کو ترے دیکھ کے جی چاہ رہا ہے
آنکھوں میں اتر آئے مرا کیفِ نظر بھی

واعظ نہ ڈرا مجھ کو قیامت کی سحر سے
دیکھی ہے ان آنکھوں نے قیامت کی سحر بھی

اُس دل کے تصدق جو محبت سے بھرا ہو
اس درد کے صدقے جو اِدھر بھی ہو اُدھر بھی

ہے فیصلۂ عشق ہی منظور تو اٹھیے !
اغیار بھی موجود ہیں، حاضر ہے جگر بھی

اگر یہ شمعِ آرزو کی حالت یہی رہے گی !
پردے میں بھی کسی کی بے پردگی رہے گی

تم خاک میں ملا دو دل کو جگر کو لیکن
ارمان یہی رہیں گے حسرت یہی رہے گی

جا اے فلک! نہ خوش ہو برباد کر کے مجھ کو
ترے مزاج میں بھی یہ آشفتگی رہے گی !

اُداسی طبیعت پہ چھا جائے گی !
انہیں جب مری یاد آ جائے گی !

شبِ غم کرشمے دکھا جائے گی !
کبھی آنسوؤں کی رُلا جائے گی !

میرے بعد ڈھونڈو گے میری وفا
مرے ساتھ میری وفا جائے گی !

مجھے اس کے در پہ ہے مرنا ضرور
مری یہ ادا اس کو بھا جائے گی

بجتی ہے کس انداز سے کس کرب و بلا سے   دل ٹوٹ گیا نالۂ بلبل کی صدا سے
انساں کو لازم ہے رہے دور ریا سے   یہ چیز جدا کرتی ہے بندے کو خدا سے
جی بھر کے پی کس طرح مئے ہوش ربا سے   مستی کو ہے بیعت مری رندانہ ادا سے
اٹھے نہ قدم جادۂ تسلیم و رضا سے   آواز یہ آتی ہے مزارِ شہدا سے
پھر حسن کے جلوؤں نے بنایا مجھے بے خود   ہشیار رہا تھا جو میں پائل کی صدا سے
گزرا ہے دل و جان سے ابھی راہ میں کوئی   سجدوں کے نشاں پوچھ لو نقشِ کفِ پا سے

بے تابیٔ دل تھی وہ مری آہ جنوں خیز
کانٹے بھی کھٹکتے رہے تجھ آبلہ پا سے

صدموں کی جان درد کا قالب دیا مجھے   جو کچھ دیا کسی نے مناسب دیا مجھے
دی جاں بھی تو سوز و الم سے جلی ہوئی!   دل بھی دیا تو جب ان کا طالب دیا مجھے

دیتی تھی میرے دل کو جو شوریدگیٔ عشق!
پھر کیوں خیالِ حفظِ مراتب دیا مجھے!

اٹھا نہ دیدۂ بلبل سے پردۂ غفلت   ہلاک ہو گئی کمبخت رنگ و بو کے لئے
ہجومِ عشق میں دل کے بھی ہو گئے ٹکڑے   مکان تنگ تھا دنیائے آرزو کیلئے

خیالِ یار کہاں تک خموشیاں تیری!
زباں دہن میں ہے بیتاب گفتگو کیلئے،

آہ میری یہ فغاں اب نہ سنی جائے گی   اب نہ سنوگے شکوۂ گراں اب نہ کہا جائیگا!
بھر گئی ان کی نظر، پھر گئے دنیا سے وہ   دوستیٔ جسم و جاں اب نہ سنی جائے گی!
یاس بھرا دردِ دل اب نہ کہا جائے گی!   درد بھری داستاں اب نہ سنی جائیگی!

قصۂ غم کہہ کے میں بیٹھا خاموش ہوں
میرے دہن میں زباں اب نہ سُنی جائیگی!

بزم سے با چشمِ تر اٹھ گئے دیکھتے ہوئے
ہم سے تری داستاں اب نہ سُنی جائیگی؟!

رحم انہیں آگیا ہے میرے دلِ زار پہ!
یہ روشِ آسماں، اب نہ سُنی جائے گی!

کہہ کے بُرا غیر کو، ان کو خفا کر دیا!
ہائے جگر کی وہاں اب نہ سُنی جائے گی!

یہ نہیں تیری آرزو نہ کرے!
دل مگر خالی ہائے، ہو نہ کرے

گم ہوا ہوں خیالِ جاناں میں!
بے خودی میری جستجو نہ کرے

ختم سرمایۂ شکیب ہو!!!
پھر وہ اب تیری آرزو نہ کرے

ناز کرتے ہیں پھول گلشن میں!
کہیں رسوا یہ رنگ بو نہ کرے

خاک ہے جذبِ عشق کی تاثیر!
خامشی بھی جو گفتگو نہ کرے

ڈر ہے مجھ کو میری حیرانی
آئینہ اُن کے روبرو نہ کرے

یاد بھی اُن کی اے جگر افسوس
پرسشِ داغِ آرزو نہ کرے!

برسائی آنسوؤں کی جھڑی چشمِ یار نے
کیا اٹھ کے کہہ دیا مری خاکِ مزار نے

اے شوقِ مرگ! پھر وہی میں ہوں وہی قفس
آسان کر نہ دی مری مشکل بہار نے

سر میں پھر لہر جنوں کی صفتِ تیر چلی
اے فلک روک مرے پاؤں سے زنجیر چلی

صدقے ان ہاتھوں کے مجھ کو بھی خبر تک نہ ہوئی
اس نزاکت سے گلے پر مرے شمشیر چلی

اب مری لاش پہ کیوں سوگ لیے بیٹھے ہو
تم نے شمشیر چلائی تھی تو شمشیر چلی

برابر کی خلش، خوں بانہ افشانی مقابل کی
محبت نے بنا دی ایک حالت دیدۂ دل کی!

مجھے اے شورِ محشر تو نے کیوں دیا اٹھا کر
بلا میں لے رہا ہے بے خودی میں اپنے قاتل کی

ضرورت تیرے سائے کی نہیں ہے اے فلک مجھ کو
عنایت چاہتا ہوں گوشۂ دامانِ قاتل کی!

نہ توڑ اے دستِ گلچیں باغ میں پھولوں کی کلیوں کو
کہ ان میں کچھ شباہت پائی جاتی ہے مرے دل کو

اجل اک مرتبہ پھر ہوش میں آ جانے دے مجھ کو
ہوس رہ جائے گی دل میں نوازش ہائے قاتل کو

جگر میں نے چھپایا لاکھ اپنا دردِ غم لیکن
بیاں کر دیں مری صورت نے سب کیفیتیں دل کی

کسی کے سامنے مشکل سے عرضِ حال ہوئی
سنبھل سنبھل کے طبیعت مری نڈھال ہوئی

نگاہ غیر کے صدقے جھکی نہ غیر کے سمت
مجھی پہ تیز ہوئی یہ مجھی پہ لال ہوئی!

مجھے جو عرضِ تمنا پہ کچھ حجاب آیا!
مرے سوال کی شرمندگی سوال ہوئی!

عاشقی یاس کی محکوم ہوئی جاتی ہے
بیکسی اب مرا مفہوم ہوئی جاتی ہے

دل ہوا خاک تپِ غم سے مگر دل کی جگہ
اک خلش سی مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے

وائے ایذا طلبی شدتِ غم کے ہاتھوں
طاقتِ گریہ بھی معدوم ہوئی جاتی ہے

ہم تو سمجھے تھے غمِ عشق فنا کر دے گی
ابھی یہ امید بھی موہوم ہوئی جاتی ہے

دل ہی دل ہے جو چھٹا جاتا ہے ہر دم ہے مگر
وہ بھی قسمت ہے جو محروم ہوئی جاتی ہے

دل دھڑکنا بھی غنیمت ہے تری فرقت میں
کہ خبر تیری مجھے معلوم ہوئی جاتی ہے !

اے جگر بات یہ کیا ہے کہ مری نظروں میں
آج جو چیز ہے معدوم ہوئی جاتی ہے

نازک سا نزعِ مریضِ محبت کا حال ہے
دن کٹ گیا تو رات کا کٹنا محال ہے

آنکھوں سے جان جائے گی فرقت کا ماجرا
اشکوں سے پوچھ لیجئے جو دل کا حال ہے

نظر ملتے ہی دل کو وقفِ تسلیم و رضا کر دے
جہاں سے ابتدا کی ہو وہیں پر انتہا کر دے

وفا ہے دل کو صدقے جان کو نذرِ جفا کر دے
محبت میں یہ لازم ہے جو کچھ ہو فنا کر دے

چمن والو آشیاں برباد یہ ٹوٹے ہوئے بازو
مرا کیا حال ہو صیاد اگر مجھ کو رہا کر دے

چمن میں بلبلوں نے بھی کچھ پھول تیرے باغِ عقبیٰ کے
الٰہی تو اگر حسنِ قبول ان کو عطا کر دے

تری محفلوں سے جگر یہ خوف آتا ہے
کہیں ایسا نہ ہو ان کو بھی عالم آشنا کر دے

شبِ وصل کیا مختصر ہو گئی !
ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی !

نگاہوں نے سب رازِ دل کہہ دیا
انہیں آج اپنی خبر ہو گئی !

بڑی چیز ہے طرزِ بیگانگی !
یہ ترکیب اگر کارگر ہو گئی !

الٰہی برا ہو غمِ عشق کا !!
سنا ہے کہ ان کو خبر ہو گئی !

کئے مجھ پہ احسان غمِ یار نے
ہمیشہ کو نیچی نظر ہو گئی !

نمایاں ہوئی صبحِ پیری جگرؔ !!
بس اب داستاں مختصر ہو گئی

کیا لطف پوچھتے ہو پر شوقِ زندگی کے — جی جی اٹھا ہوں مر کے مر مر گیا ہوں جی کے
بے حکمِ عشق مر کے بے اذنِ عشق جی کے — کرتے نہیں ہیں مفت ضائع اوقاتِ زندگی کو
دیکھا تو اس جگہ پر لاکھوں ہیں زخم تازہ — حاصل ہوئی تھی فرقت جس زخمِ دل کو جی کے
فیضِ بہار سے ہے عالم یہ تازگی کا! — گویا برس رہے ہیں انوار زندگی کے

اک اک سے پوچھتے ہیں وہ میری حالتِ دل
قربان اس ادا کے اس بے تعلقی کے

فلک کے جور زمانے کے غم اٹھائے ہوئے — ہمیں بہت نہ ستاؤ کہ ہیں ستائے ہوئے
نہ جانے دل میں وہ کیا سوچتے رہے پیہم — مرے جنازے پہ تا دیر سر جھکائے ہوئے
نگاہِ شوق نے محشر میں صاف تاڑ لیا — کہاں وہ چھپتے کہ آنکھوں میں تھے سمائے ہوئے
انھیں میں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا — جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آئے ہوئے

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگے پاؤں ڈگمگائے ہوئے

چلے گا کام تمہارا نہ اب گواہوں سے — کہ ٹپکی پڑتی ہے شرمندگی نگاہوں سے
اثر کو بھی نہ رہا ربط، دل کی آہوں سے — خدا پناہ میں رکھے تری نگاہوں سے
کہیں تمہیں بھی نہ پڑ جائے کام آہوں سے — بچے رہو مری حسرت بھری نگاہوں سے
مریضِ عشق کے چہرے پہ آ گئی رونق! — ابھی تو کہہ گئے کیا جانے کیا نگاہوں سے
زمین بھی نہ اٹھائے گی، میری خاک کا بار — گرا دیا مجھے تم نے اگر نگاہوں سے!

جگر بتائے کچھ حالِ زار خیر تو ہے
یہ کیوں برستی ہیں مایوسیاں نگاہوں پر

دل کی خبر نہ ہوش کسی کو جگر کا ہے
اللہ اب یہ حال تمہاری نظر کا ہے

اس کمسن نے دیکھی بھی نہیں رخ جدھر کا ہے
سب سے جدا اصول تمہاری نظر کا ہے

دل رکھ دیا ہے سامنے لا کر خلوص سے!
آگے اب اس کے کام تمہاری نظر کا ہے!

سب رفتہ رفتہ داغِ الم دے گئے مگر
محفوظ ہے وہ زخم جو پہلی نظر کا ہے!

میرے دلِ حزیں میں کہاں تابِ اضطراب
جو کچھ کمال ہو وہ تمہاری نظر کا ہے

کس طرح دیکھوں جلوۂ جاناں کو بے حجاب
پردہ پڑا ہوا ہے آگے نظر کا ہے!

یہ ہم ہجومِ یاس سے آتا نہیں یقین!
تم میرے سامنے ہو یا دھوکا نظر کا ہے

ہاں چلے دور میں ساقی مئے گلفام چلے
دن چلے رات چلے صبح چلے شام چلے

خاک بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے
پاؤں کھنچنے لگے جب اُٹھ کے وہ دو گام چلے

جھک گئے سر تری دہلیز پہ سب آپ سے آپ
کچھ کسی کی نہ چلی جب ترے احکام چلے

کعبۂ دل کی حقیقت سے تو واقف ہی نہیں!
باندھ کر شیخ کہاں جائیے احرام چلے

نقد کچھ پاس نہیں فکر ہے میخواری کی!
قرض مل جائے کہیں سے تو بڑا کام چلے

پاؤں لٹکائے ہوئے قبر میں بیٹھے ہیں جگر
دیر چلنے میں نہیں، صبح چلے شام چلے

کیا قیامت تھا کسی کا شکوۂ بیداد بھی
لب تک آ آ کے رکے ہو کے مری فریاد بھی

پہلے تھی کچھ اس سے تسکینِ دلِ ناشاد بھی
اب کلیجہ کھائے جاتی ہے تمہاری یاد بھی

جسم ہے زنداں میں لیکن روح بزمِ یار میں
بیڑیاں بھی پاؤں میں ہیں اور ہوں آزاد بھی

آتے ہی کنجِ قفس میں چپ سی مجھ کو لگ گئی
لے اڑے کیا ہوش تیرے طاقتِ فریاد بھی

یوں نالۂ بلبل تڑپ کر جان دینی تھی تجھے
چاہیئے تھا کچھ تو پاسِ خاطرِ صیاد بھی!

دیکھیے کس کی فغاں میں پہلے آتا ہے اثر
میں بھی نالے کر رہا ہوں بلبلِ ناشاد بھی!

یہ ہجومِ یاس و حرماں یہ وفورِ رنج و غم !
تجھ کو ڈر ہے، دم نہ جائے، آہ تیری یاد بھی!

مجھ سے ہی کچھ واسطہ مطلب نہیں انکو جگر!
تیز ہو تو آہ مجھ ہی پر خنجرِ بیداد بھی!

جان سے تنگ ہمارا دلِ دیوانہ ہے
زندگی کا ہے کو ہے موت کا افسانہ ہے

گوشے گوشے میں نہاں جلوۂ جانانہ ہے!
دل نہیں ہے مرے سینے میں پری خانہ ہے

وہی گل ہے وہی بلبل وہی پروانہ ہے!
شان ہے اک مگر رنگ جداگانہ ہے!

وہی صہبا وہی ساغر وہی پیمانہ ہے!
چشمِ ساقی ہے کہ میخانے کا میخانہ ہے

کان ہنگامۂ محشر پہ لگے ہیں سب کے
کیا ترے رہگذرِ عالم کا افسانہ ہے!

اللہ اللہ یہ وارفتگیٔ عشق مری !
اس جگہ ہوں کہ جہاں حسن بھی دیوانہ ہے!

تم دکھا دو جسے آنکھیں وہی مخمور بنے
ہم جہاں شیشہ ٹپک دیں وہی میخانہ ہے

حشر کہتے ہیں کسے؟ وعدۂ دیدار ہے کیا
وہ بھی میری نگہ شوق کا افسانہ ہے!

منزلِ عشق میں اللہ رے یہ عالمِ شوق
ہر قدم پر نیا انداز جداگانہ ہے!

ان سے پوچھے کوئی یہ ہوش کی باتیں میری
لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے، دیوانہ ہے

داستانِ غمِ دل ان کو سنائی نہ گئی!
بات بگڑی تھی کچھ ایسی کہ بنائی نہ گئی!

سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن
اک تری یاد تھی ایسی کہ بھلائی نہ گئی!

عشق پوچھے نہ چلا دیدۂ تر کا قابو ! اس نے جو آگ لگا رکھی وہ بجھائی نہ گئی !
پڑ گیا حسنِ رخِ یار کا پرتو جس پر خاک میں مل کے بھی اس دل کی صفائی نہ گئی
کیا اٹھائے گی صبا خاک مری اس در کی
یہ قیامت تو خود ان سے بھی اٹھائی نہ گئی

رات کیا دلکش ادائے جلوۂ جانانہ تھی ! شمع جیسا رخ کے مقابل آئی خود پروانہ تھی
آج رگ رگ میں مری اک شورشِ مستانہ تھی کیا نگاہِ مستِ ساقی حاملِ پیمانہ تھی
صبح تک یہ یادگارِ عشق بھی افسانہ تھی !
شمع اب ہے دفن جس جا تربتِ پروانہ تھی

مشغلہ ہجر میں کچھ تو دلِ ناشاد رہے نالہ تھمتا ہو اگر ہوتی فریاد رہے
منتشر بعد فنا یوں مری روداد رہے دل مرا خاک ہو اور خاک مری برباد رہے
ایک محبت کی نظر بھی دمِ بیداد رہے کیجے ظلم وہ مجھ پر جو مجھے یاد رہے
کس کو معلوم ہے اس جلوہ گہِ ناز کا حال ہوش ہی جب نہ ٹھکانے ہو تو کیا یاد رہے
اب تو چھپ گئے پردے سے دکھا کر صورت اب کوئی شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے!
روح سے ربط نہ چھوٹا ترے کوچے کا کبھی تیرے دیوانے اسیری میں بھی آزاد رہے !
جان تو آ بھی چکی ہونٹوں پہ مری اے صیاد
اب بھی محدودِ قفس تنگ مری فریاد رہے

یہ جو دھندلی سی دنیا خانۂ زنجیر میں ہے داغ سا شاید کوئی روشن دلِ دلگیر میں ہے
ہر ادا حسن کی ڈوبی ہوئی تاثیر میں ہے ! تجھ میں جو ہر دیکھا عالم تری تصویر میں ہے
مطمئن ہو کے کریں سیرِ چمن کیا وحشی اک قدم باغ میں اک خانۂ زنجیر میں ہے

پہلے ہوں گے کبھی بیتابیِ دل کے شکوے
اب تو راحت سی مجھے خانۂ زنجیر میں ہے

کیا پوچھتے ہو حالت بیمارِ محبت کی — کچھ اور ابھی گھڑیاں باقی ہیں مصیبت کی
ہر نقش ہے سینے پر اک نقشۂ غمِ فرقت کا! — ہر اشک ہے آنکھوں میں تصویر محبت کی
آہی گیا رحم ان کو حالِ دلِ محزوں پر! — کر ہی گئی کام اپنا تاثیر محبت کی
اے جوشِ جنوں، ٹوٹے چھالا نہ مرے دل کا — دھندلی سی نشانی ہے سوزِ غمِ فرقت کی

لاکھوں میں کھڑے تھے ہم اس نے پہچان لیا ہم کو!
چھپتی ہے چھپانے سے کب آنکھ محبت کی

جورِ گلچیں و جفائے باغباں دیکھا گئے — جو دکھایا تو نے وہ اے آسماں دیکھا گئے
آج کن آنکھوں سے یہ جورِ خزاں دیکھا گئے — سب چمن لٹتا رہا اور باغباں دیکھا گئے
اب قفس میں ہوش آیا تو حیرت ہے ہمیں — کس طرح آنکھوں سے لٹتے آشیاں دیکھا گئے
جی بھر آیا ناتوانی پر جو راہِ شوق میں ! — دیر تک ہم نقشِ پائے رہرواں دیکھا گئے!
جب چمن سے لے چلا صیاد کر کے ہم کو قید — دور تک مڑ مڑ کے سوئے آشیاں دیکھا گئے
تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق روح کو — ہم قفس میں روز خوابِ آشیاں دیکھا گئے

خاک سیرِ لالہ و گل باغ میں جب تک رہے
دستِ گلچیں یا نگاہِ باغباں دیکھا گئے!

آیا نہ راس نالۂ دل کا اثر مجھے !! — اب تم ملے تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے!
دل لیکے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے — یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے!
ہر سو دکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے — کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے!

ملتی نہیں ہے لذتِ دردِ جگر مجھے / بھولی ہوئی نہ ہو نگہِ فتنہ گر مجھے!

ڈالا ہے بیخودی نے عجب راہ پر مجھے / آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے!

کرنا ہے آج حضرتِ ناصح سے سامنا / مل جائے دو گھڑی کو تمہاری نظر مجھے

مشتاق کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے / لیجائے جذبِ شوق مرا اب جدھر مجھے

ڈرتا ہوں جلوۂ رخِ جاناں کو دیکھ کر / اپنا بنا نہ لے کہیں میری نظر مجھے!

یکساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ / ان کی خبر انھیں ہے نہ میری خبر مجھے!

مرنا ہے ان کے پاؤں پہ رکھ کر سرِ نیاز / کرنا ہے آج قصۂ غم مختصر مجھے!

سینے سے دل عزیز ہے دل سے ہو تم عزیز / سب سے مگر عزیز ہے تیری نظر مجھے!

میں درد ہوں تو روئے سخن مجھ سے کس لئے / تم پاس ہو تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے!

کیا جانے قفس میں رہے کیا معاملہ؟
اب تک تو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے

آنکھوں میں نور جسم میں بنکر وہ جاں رہے / یعنی ہمیں میں رہ کے وہ ہم سے نہاں رہے

ہم ہیں وہ دردمندِ محبت جہاں رہے / خاموش بھی رہے تو سراپا فغاں رہے

ہر چند وقفِ کشمکشِ دو جہاں رہے / تم بھی ہمارے ساتھ رہے ہم جہاں رہے

باقی چمن میں کچھ تو ہمارا نشاں رہے! / صیاد ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے!

ہر شاخ پر ہے باغ میں صیاد کی نگاہ!
مطلب یہ ہے کہیں نہ مرا آشیاں رہے

کس قیامت کی کشمکش اس جذبۂ کامل میں ہے / تیر ان کے ہاتھ میں پیکاں ہمارے دل میں ہے

ایک تلاطم سا تو برپا سینۂ بسمل میں ہے / ان جانے تو ہی خود یا درد تیرا دل میں ہے

جلوہ فرما کون اس اجڑی ہوئی محفل میں ہے
آفتابِ حشر ہے جو داغ میرے دل میں ہے

عشق کا ہر رنگ پنہاں میرے آب و گل میں ہے
قیس میرے سینے میں فرہاد میرے دل میں ہے

اللہ اللہ یہ مری مشقِ تصور کا کمال !
میں ہوں اس محفل میں اور محفل کی محفل دل میں ہے

عشق میں گم گشتگیِ شوق راس آئی مجھے
تھی جو میرے دل میں حسرت اب وہ ان کے دل میں ہے

ہر تڑپ کے ساتھ آ جاتی ہے مجھ میں تازہ روح
شکر ہے اتنا اثر تو اضطراب دل میں ہے

شمع چپ ہے داغ شعلہ زن اہلِ دل سب دم بخود
ہائے کیا تصویر کا عالم تری محفل میں ہے

★

جوانی آتے ہی ان پر قیامت کی بہار آئی
نظر بیگانہ وار اٹھی حیا مستانہ وار آئی !
چمن میں راس کب مجھ کو ہوائے روزگار آئی
قفس ہی میری قسمت میں لکھا تھا جب بہار آئی
مری نظروں میں جب سے تازگیِ حسنِ یار آئی
خزاں بھی آئی گلشن میں تو میں سمجھا بہار آئی
وہ عاشق ہوں کہ میری لاش جب زیرِ مزار آئی
محبت نوحہ گر پہنچی، تمنا سوگوار آئی !!
کچھ ایسی جوش پر اب کی یہ چشمِ اشکبار آئی !
قفس میں لوٹ کر سارے گلستاں کی بہار آئی
شمیمِ عطر بیز آئی نسیمِ خوشگوار آئی !!
تم آئے سامنے یا سو بہاروں کی بہار آئی

اب آخر آشیاں کے ذکر سے صیاد کیا حاصل
یہ کہہ دینا ہی کیا کم تھا کہ گلشن میں بہار آئی

چمن میں جیسی اک بلبل کے دم تک دیکھی اے ہمدم
نہ پھر ایسی خزاں آئی نہ پھر ایسی بہار آئی

وہ دیوانہ ہوں میں جب سے بسایا میں نے زنداں کو
نہ صحرا میں اُگے کانٹے نہ گلشن میں بہار آئی

نفس میں بھی نگاہوں سے جدا ہوتا نہیں دم بھر
وہ عالم ہائے میرا، خاتمے پر جب بہار آئی

غضب تھا آج گلشن میں یہ حسرت خیز نظارہ
ادھر بلبل کا دم ٹوٹا ادھر فصلِ بہار آئی

اثر اتنا تو ہونا چاہیئے۔ جذب محبت میں
کہ جب تک میں قفس میں تھا قفس ہی میں بہار آئی

قفس کا اور یکایک اسطرح گلشن میں آجانا
مگر معلوم ہوتا ہے کہ گلشن میں بہار آئی

کہیں ساغر بکف گل ہیں، کہیں خُم در بغل غنچے
چمن ہی میکدہ بھی بن گیا جب سے بہار آئی

بنا کر جس نے بیخود آشیاں ہم سے چھڑایا تھا
سنا ہے پھر اسی شدت سے گلشن میں بہار آئی

مری اس بیخودی کا یادِ گل میں کیا ٹھکانہ ہے
اٹھی جب آشیاں سے آگ تب سمجھا بہار آئی

وہ گھر برباد ہی ہو جائے تو بہتر ہے جس گھر میں
نہ صبحِ وصل آئی اور نہ شامِ انتظار آئی!

نگاہِ یاس اور دب کر نگاہِ ناز سے رہتی
گئی اور چند نشتر ان کے دل میں بھی اتار آئی

بہارِ رفتہ میری پھر نہ آئی اے جگر واپس
چمن میں ہر خزاں کے بعد لیکن اک بہار آئی

علاجِ کاوشِ غم خاکِ چارہ جو کرتے — ہزار زخم تھے کس کس جگہ رفو کرتے
اشارہ خود جو نہ وہ بہرِ جستجو کرتے! — مجال کیا تھی ہماری کہ آرزو کرتے
وہ ہم سے ملتے نہ ملتے یہ ان کی تھی مرضی — ہمارا کام یہی تھا کہ جستجو کرتے!
بیاں ہو نہ سکی ابتدائے حیرت کی — تمام عمر ہوئی شرحِ آرزو کرتے!

—

جلوہ جو ان کے رخ کا مری چشمِ تر میں ہے — شادابیٔ بہارِ دو عالم نظر میں ہے!!
امیدِ وصل دیدۂ حسرت اثر میں ہے — یعنی ہماری روح ہماری نظر میں ہے!
ہر ذرہ رقص میں ہے جو اس رہگذر میں ہے — کیسا عالمِ حیات کسی کی نظر میں ہے!
تاریک ہوئی جاتی ہے رہ رہ کے کل فضا — پھر بھی مریضِ ہجر امیدِ سحر میں ہے
کیا آفتابِ حشر سے جھپکے گی اب یہ آنکھ — ہر ذرہ کوئے یار کا میری نظر میں ہے!
تنہائیٔ فراق کا کیا کیجئے بیاں! — اک آہ تھی، سو وہ بھی تلاشِ اثر میں ہے
اللہ ری یادِ طاقتِ پرواز کا اثر! — دل میں ابھی وہ تڑپ نہیں جو بال و پر میں ہے
وا ہوں جو گوشِ ہوش تو عبرت کے واسطے — اک داستاں خموشیٔ شمعِ سحر میں ہے
یوں آ رہے ہیں آج ہم ایک بزمِ ناز سے — چہرہ پہ نور جلوۂ جاناں نظر میں ہے

کیوں کر بہار شعر سے ٹپکے اے جگر!
رنگِ کلام حضرتِ اصغر نظر میں ہے!

٭

ازل کے دن جنھیں لے کر چلے تھے محفل سے
وہ شعلے آج تک لپٹے ہوئے ہیں دامنِ دل سے

مجھے اب خوف ہی کیا ہجر میں تنہائیِ دل سے
ہزاروں محفلیں لے کر اٹھا ہوں تیری محفل سے

یہ عالم ہے ہجومِ شوق سے بیتابیِ دل سے
کہ منزل پر پہنچ کر بھی اُٹھا جاتا ہوں منزل سے

فلک پر ڈوبتے جاتے ہیں تارے بھی شبِ فرقت
مگر نسبت کہاں ان کو مرے ڈوبے ہوئے دل سے

نگاہیں قیس کی اٹھتی ہیں جوشِ کیفِ مستی میں
ذرا ہشیار رہنا، سارباں لیلیٰ کی محمل سے

وہی سب بن گئیں نقش و نگارِ صفحۂ ہستی
اُڑی تھیں جو بھی چھینٹیں مرے خونابۂ دل سے

سمجھ کر کچھ نکلنا اس کو ذرا اے داغِ ناکامی
بہت سے گھر بھی ہیں آباد اس اجڑے ہوئے دل سے

محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھ کو
نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے

قیامت کیا! کہاں کا حشر؟ کیسا دیر کیا کعبہ؟
یہ سب ہنگامے برپا ہیں مرے اک مضطرب دل سے

بیاں کیا ہوں یہاں کی مشکلیں بس مختصر یہ ہے
وہی اچھے ہیں کچھ، جو جس قدر ہیں دور منزل سے

ہجومِ یاس ایسا کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو
وفورِ شوق میں آگے بڑھا جاتا ہوں منزل سے

محبت میں ضرورت ہی تلاشِ غیر کی کیا تھی؟
اگر ہم ڈھونڈھتے تو تم بھی مل جاتا رگِ دل سے

بدن سے جان بھی ہو جائیگی رخصت مگر لیکن
نہ جائے گا خیالِ حضرتِ اصغر مرے دل کو

بس اک نظر کا دھوکا ہے، بس اک آنکھوں کا پردہ ہے
نہ مجنوں کوئی مجنوں ہے، نہ لیلےٰ کوئی لیلےٰ ہے!

ہوسناکی خیالِ غیریت ہی کا نتیجہ ہے!
جو یہ پردہ ابھی اٹھ جائے تو سب اپنا ہی اپنا ہے

سمجھ میں جو نہ آئے اور بے سمجھے نہ رہنے دے
اسی کا نام شاید عشق میں، نامِ تمنا ہے!!

یہی تو فرق ہے بس کافر و مسلم میں اے غافل
کہ اس کے لاکھ کعبے ہیں اور اس کا ایک کعبہ ہے

مژدہ اے شوقِ شہادت، اوج پہ تقدیر ہے

آج دستِ نازنیں میں نازکی اک خنجر ہے
کم نہیں ہوتی دلِ ایذا طلب کی خواہش
آپ دیکھیں تو سہی ترکش میں کوئی تیر ہے!
کس ادا پر جان دوں، تو ہی بتا اے چشمِ یار
جس ادا کو دیکھتا ہوں، حسن کی تصویر ہے!
قید خانے میں جو بیٹھا ہوں یہ ہے تیری خوشی
تو اگر کہہ دے تو دو ٹکڑے ابھی زنجیر ہے
میرے پہلو میں نہیں ہے یہ دلِ خانہ خراب
میری بربادی کی جیتی جاگتی تصویر ہے
وہ ادھر محوِ تماشہ ہیں ادھر مرعوبِ حسن
وصل کی شب دونوں جانب عالمِ تصویر ہے
دل بربادی میں عالم اک آباد بھی ہے
ابھی ویرانے میں مجنوں بھی ہے فرہاد بھی ہو
کیا خبر قلبِ ہوسناک کو ہنگامِ سماع!
کیا انہیں نغموں میں پنہاں کوئی فریاد ہے

دل بہلنے کا شبِ غم یہی صورت ہوگی
آپ کے دور میں کبھی آپ کی سیرت ہوگی
آتشِ دوزخِ ہجراں ہے قیامت لیکن
جمع کرتی رہی آمادگیِ ذوقِ فنا
کہنے سننے کی غمِ عشق میں حاجت ہی نہیں

آپ کماد ہوتی ہوئی تکلیف بھی راحت ہوگی
بات میں بات نزاکت میں نزاکت ہوگی
تم جو جا ہو گے تو یہ بھی مجھے جنت ہوگی
کام آئے گی اگر دل میں حرارت ہوگی!
آنکھ سے ٹپکے گی، دل میں جو محبت ہوگی

وہ نکلی جانستاں کیا مظہرِ شانِ الٰہی ہے
نظر میں رنگ ہی رخ پر نورِ صبح گاہی ہے

اسی کو ایک دن بننا ہے خاصِ عارضِ رحمت
ہمارے نامۂ اعمال کی جتنی سیاہی ہے

کسی صورت نہیں ہم سے بے خبر وہ رہ نہیں سکتے
جو ہم ایسا سمجھتے ہیں ہماری کم نگاہی ہے

خدا جانے محبت کونسی منزل کو کہتے ہیں!
نہ جس کی ابتدا ہی ہے نہ جس کی انتہا ہی ہو

پارۂ ہائے جگر

بس ہوا ہشیار جتنا مجھ سے وہ غافل ہوا
دل سراپا غم بنا جب میں سراپا دل ہوا

جذبۂ دل صرف جتنا بے تحمل ہوتا گیا ٭ اس قدر ذوقِ نظر میں مستقل ہوتا گیا!
تنگ اتنا دامنِ فکر و عمل ہوتا گیا!
زندگی بھر آج کل ہی آج کل ہوتا گیا!

دمِ اخیر بھی ان کا یہ احترام ہوا! ٭ اٹھے نہ ہاتھ تو آنکھوں ہی سے سلام ہوا!

یہ سوزِ نہاں نہیں ہے دل میں! ٭ جلتا ہے چراغ بیکسی کا!!
حسرت کا لہو بھرا ہے جس میں!
وہ جام ہوں دورِ آخری کا!!

لکھے خط ان کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن ٭ تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا

ہر ایک داغِ فرقت کا دھونا پڑیگا! ٭ تمہیں بھی میرے سامنے رونا پڑیگا

بھلا کر خود کو غافل، رحم کا تو مستحق ہوگا
کہ گل بوٹے بھی بن جائیں گے جب سادہ ورق ہوگا

کہاں وہ دن گئے یارب کہ تھی شکیبائی ٭ نظر میں پھرتی ہے صبر و قرار کی صورت

گئے جو دل سے تو دل کو خزاں بنا کے گئے
جو آئے دل میں تو آئے بہار کی صورت

کیا کروں گا اب بہارِ گلِ بداماں دیکھ کر
محوِ حیرت ہوں خود اپنا حسنِ پنہاں دیکھ کر

سحر تک شمعِ محفل! میں نے جل بجھنے کی ٹھانی ہے
ہمیں یہ دیکھنا ہے، خاک ہو جاتے ہیں ہم کب تک

قیدِ قفس میں یادِ بہار آئی ہے مجھے
نشتر بنے ہوئے ہیں پر و بال آج کل!

حال وحشت میں ہوا ہے ترے دیوانوں کا
جیب چھوٹی تو گریبان لیے بیٹھے ہیں

ہنس رہا کیا کوئی دیوانوں میں!!
خاک اڑتی ہے بیابانوں میں!

رہ گئی آہ اب افسانوں میں!!
مے نہ شیشوں میں نہ پیمانوں میں!

اٹھ گیا کیا جگرِ نکتہ سرا!!!
شور برپا ہے غزل خوانوں میں!

لب پہ نالہ نہیں، شکوہ نہیں فریاد نہیں
پھر بھی فرماتے ہیں تو لائقِ بیداد نہیں

روح کھنچتی ہوئی نکلی ہے تنِ لاغر سے
اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں

رنگِ حیا ہے یہ ترے جوشِ شباب میں
یا چاندنی کا پھول کھلا ہے گلاب میں

سینۂ عشق ہے اور ناوکِ ناز
وار پر وار ہوئے جاتے ہیں

عشق سے روز سوا عہدِ وفا
چار و ناچار ہوئے جاتے ہیں

ساقیا توبہ کئے لیتے ہیں!
لے گنہگار ہوئے جاتے ہیں

دے چکا جب دل تو کیسا خوفِ شہرت ہو تو ہو
اب یہ سر جائے تو جائے اور قیامت ہو تو ہو

دل کہاں پہلو میں دل تو کر چکے پہلے نذر
یہ جو کچھ بے چین سا ہے دردِ فرقت ہو تو ہو

لطفِ تشہیرِ مصور تو ہے تشہیر کے ساتھ
کھینچ دے دردِ بھی میرا مری تصویر کے ساتھ

حاصلِ دشت نوردی ہی یہ اے دشتِ جنوں
آبلے ٹوٹ نہ جائیں کہیں زنجیر کے ساتھ

ہے مآلِ کارِ رفتہ یہی کہ انہیں کا رنگ عیاں رہے
نہ نظر ہماری نظر رہے نہ زباں ہماری زباں رہے

مرے عشقِ سحرِ طراز نے بہت ان کے جلوے دکھا دئے
مگر ایسے لاکھوں ہی حسن تھے جو نظر سے پھر بھی نہاں رہے

آنکھوں میں بند جلوۂ جاناں کئے ہوئے
جاتا ہوں ذرہ ذرہ کو حیراں کئے ہوئے

مشروط نگاہِ ساقی کی تحریک پہ جس کا پینا ہے
بس اس کا ساغر ساغر ہے اس کا پینا پینا ہے

با چشمِ امید میں ہے جان ابھی تھوڑی سی ❊ ابھی دھندلا سا اجالا نظر آتا ہے مجھے

تصور میں یہ کس کے جلوہ مستانہ آتا ہے ❊ کہ ہر آنسو لئے ہمراہ اک پیمانہ آتا ہے

دمِ اظہارِ سوزِ پنہانی ! ❊ شعلے میری زباں سے آئے

سوزِ غمِ ہجر بجھ نہ جائے ! ❊ دھندلا سا چراغِ بے کسی ہے

سنا کہ چیتو یس کبھی ہیں قائلِ نظر بھی ہے
کیا چیز ہو گئے ہو تمہیں کچھ خبر بھی ہے

اس سے تو عنایت کی نظر کی نہیں جاتی
اور دل کی یہ حالت ہے کہ دیکھی نہیں جاتی

ہستی کے نکات پوچھتا ہے ❊ غافل تجھے اپنی بھی خبر ہے

آنسوؤں کی کمی نہیں لیکن ❊ کچھ سبب تھا کہ آنکھ تر نہ ہوئی

پلہ دے اٹھا دشت مجھے محبت کجو شی ذ
کھویا گیا مجھ سے مرے تمکین و ہوش نے
تاثیرِ سوزِ عشق سے بجھنا محال ہے ؞ ایسی لگی یہ آگ کہ دیکھا کرے کوئی

پیری کبھی تمام ہونے آئی ؞ دل ڈھل چکا شام ہونے آئی

سرور وقتِ مزاج جو بیمار ہو گئے ؞ کیا جانے کیا اشاروں میں اقرار ہو گئے
ترکِ خودی سے حائل پندار ہو گئے
آزاد ہوتے ہوتے گرفتار ہو گئے!

کیا جانے کب تک مجھے فرقت میں نکل آئی ؞ دل کو ابھی روکا تھا کہ آنسو نکل آئے!

دیکھی تری آنکھوں کی کیفیتِ رعنائی ؞ ابھا کس سے سنبھلتا ہے جام مجھے مینائی

لمعاتِ طور

نظمیں

بسم اللہ الرحمان الرحمٰن الرحیم

شکستِ توبہ

ساقی کی ہر نگاہ پہ بل کھا کے پی گیا
لہروں سے کھیلتا ہوا لہرا کے پی گیا

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑتا تاڑ کے تھرا کے پی گیا

زاہد! یہ میری شوخیٔ رندانہ دیکھنا / رحمت کو باتوں باتوں میں بہلا کے پی گیا

سرمستیٔ ازل مجھے جب یاد آ گئی / دنیائے اعتبار کو ٹھکرا کے پی گیا!

آزردگیٔ خاطرِ ساقی کو دیکھ کر! / مجھ کو یہ شرم آئی کہ شرما کے پی گیا

اے رحمتِ تمام! مری ہر خطا معاف / میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا

پیتا بغیر اذن یہ کب تھی مری مجال / در پردہ چشمِ یار کی شہ پا کے پی گیا!

اس جانِ میکدہ کی قسم بارہا جگر!
کل عالمِ بسیط پہ میں چھا کے پی گیا

غمِ انتظار

نظر ہے وقفِ غمِ انتظار کیا کہنا / کھنچی ہے سامنے تصویرِ یار کیا کہنا

یہ چشمِ مست، یہ ابرو، یہ زلف، یہ خد و خال / یہ لب، یہ رخ، یہ جبیں، یہ عذار کیا کہنا

شباب اور مکمل شباب ارے توبہ / بہار اور مجسم بہار کیا کہنا!

تصادمِ نگہِ شوق اے معاذ اللہ / تبسمِ نگہِ فتنہ کار کیا کہنا!

فروغِ حسن و نوائے سرودِ طرفِ چمن / شرابِ عشق و لبِ جوئبار کیا کہنا!

گل و بنفشہ و نسرین و نسترن کیا خوب / بہار و سایۂ ابرِ بہار - کیا کہنا!

مہ بیانِ دروں زباں خموش و عرض و نیاز / جبینِ شوق و کفِ پائے یار کیا کہنا!

گذارشِ دلِ غم آفریں، معاذ اللہ! / نگارشِ غمِ ہمت شکار کیا کہنا!

تمام شوق شکایت، تمام مہر و وفا / فسانۂ دلِ بے اختیار کیا کہنا!

فسونِ نیم نگاہی و سحرِ استغنا
سکوتِ حسن و لبِ نغمہ بار کیا کہنا

دفورِ بے خودی ضبطِ غم جزاک اللہ
سرورِ بادۂ ناخوشگوار کیا کہنا!

شراب ریز نشیلی نگہ ارے توبہ
پیالہ گیر کفِ رعشہ دار کیا کہنا

سبک روانیِ اشک و خنک نسیمِ کرم
نشاطِ درد و دلِ بے قرار کیا کہنا!

کرم نما ستمِ نازِ حسن، ارے توبہ!
ستم نما کرمِ خاصِ یار کیا کہنا!

نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف
شکستِ شیشۂ دل بار بار کیا کہنا!

حریمِ حسن کے پردے اٹھے ہوئے ہیں جگر
یہی اگر ہے غمِ انتظار کیا کہنا

تصویر و تصوّر

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں

وہی قیامت ہے قدِ بالا! وہی ہے صورت وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں!

وہی لطافت، وہی نزاکت وہی تبسم، وہی ترنم!
میں نقشِ حرماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں

خرام رنگیں، نظام رنگیں، کلام رنگیں، پیام رنگیں!
قدم قدم پر، روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں!!

شبابِ رنگیں، جمالِ رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں!

تمام رعنائیوں کے مظہر، تمام رنگینیوں کے منظر
سنبھل سنبھل کر سمٹ کر سب ایک مرکز پر آ رہے ہیں!

بہارِ رنگ و شباب ہی کیا ستارہ و ماہتاب ہی کیا
تمام ہستی جھکی ہوئی ہے، جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں!

طیور سرشارِ ساغرِ مل، ہلاکِ تنویرِ لالہ و گل!!
سب اپنی اپنی دھنوں میں مل کر عجیب گیت گا رہے ہیں

شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے نظر سے مستی ابل رہی ہے
چھلک رہی ہے اچھل رہی ہے پئے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں!

خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
خرابِ مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاکِ مستی بنا رہے ہیں!!

فضا سے نشہ برس رہا ہے۔ دماغ پھولوں میں بس رہا ہے
وہ کون ہے جو ترس رہا ہے، سبھی کو میکش پلا رہے ہیں!!

زمیں نشہ، زمان نشہ، جہان نشہ، مکان نشہ!
مکان کیا، لامکان نشہ، ڈبو رہے ہیں پلا رہے ہیں!!

وہ روئے رنگیں، وہ موجِ شبنم، کہ جیسے دامانِ گل پہ شبنم
یہ گرمیِ حسن کا ہے عالم، کہ عرق عرق میں نہا رہے ہیں!!!

یہ مست بلبل بہک رہی ہیں، قریبِ عارض چہک رہی ہے!!

گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے وہ دست رنگیں بڑھا رہے ہیں
یہ موجِ دریا، یہ رنگِ صحرا، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم
ذرا جو وہ مسکرا دئے ہیں، وہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں
فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
سکوتِ نغمہ بنا ہوا ہے وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں
اب آگئے جو کچھ بھی ہو مقدر، کہ لیکن یہ نقش و نگار و دلِ پر دلہر
ہم ان کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں!
یہ اشک جو بہہ رہے ہیں پیہم، اگرچہ سب ہی ہیں حاصلِ غم
مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ ابھی کچھ مسکرا رہے ہیں
ذرا جو دم بھر کو آنکھ جھپکی، یہ دیکھتا ہوں نئی تجلی!!
طلسمِ صورت مٹا رہے ہیں، جمالِ معنی بنا رہے ہیں
خوشی سے لبریز شش جہت ہے زبان پر شورِ تہنیت ہے
یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

نرگسِ مستانہ

خطاب بہ اصغر نور اللہ مرقدہ

اپنا ہی سا اے نرگسِ مستانہ بنا دے
میں جب تجھے جانوں مجھے دیوانہ بنا دے
ہر قید سے ہر رسم سے بیگانہ بنا دے
دیوانہ بنا دے مجھے دیوانہ بنا دے

اک برقِ ادا خرمنِ ہستی پہ گرا کر !
نظروں کو مری طور کا افسانہ بنا دے

ہر دل ہے تری بزم میں لبریزِ مئے عشق
اک اور بھی پیمانے سے پیمانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ بھی، "تو نشہ" دے بھی
میں تشنۂ ہستی، مجھے مستانہ بنا دے

اللہ نے تجھ کو مے و میخانہ بنایا !
تو ساری فضا کو مے و میخانہ بنا دے

تو ساقیِ میخانہ ہے میں رند، بلا نوش
میرے لئے میخانہ کو پیمانہ بنا دے

یا دیدہ و دل میں مرے تو آپ سما جا
یا پھر دل و دیدہ ہی کو ویرانہ بنا دے

قطرے میں مرے وہ دریا ہے جو عالم کو ڈبو دے
ذرے میں وہ صحرا ہے کہ دیوانہ بنا دے

لیکن مجھے ہر قیدِ تعین سے بچا کر !
جو چاہے وہ اے نرگسِ مستانہ بنا دے

عالم تو ہے دیوانہ جگر حسن کی خاطر
تو اپنے لیے حسن کو دیوانہ بنا دے !

کب تک نگہِ یار نہ ہوگی متبسم !
تو اپنا ہر انداز حریفانہ بنا دے !

مت کر تو نہ جو عشق کے اعجازِ نظر کا !
کہنے کیلئے اپنے کو بیگانہ بنا دے

جب تک کرمِ خاص کا دریا نہ امڈ آئے
تو اور بھی حال اپنا سفیہانہ بنا دے

بتخانے میں آ نکلے تو کعبہ کی بنا ڈال !
کعبہ میں پہنچ جائے تو بتخانہ بنا دے

جو موج اٹھے دل کی تہِ جوشِ طلب میں
سر رکھ کے وہیں سجدۂ شکرانہ بنا لے

جب وہ مائلِ الطاف نظر آئے، وہ خود ہی
تو ہر نگہِ شوق کو افسانہ بنا دے

کونین بھی مل جائے تو دامن کو نہ پھیلا
کونین کو بھولا ہوا افسانہ بنا دے

پھر عرض کر اس طرح جگر شوق و ادب سے
بے باک اگر جرأت رندانہ بنا دے

مجھ کو نگہ یار! قسم میرے جنوں کی
پھر صبح کو بھی میرا ہی سا دیوانہ بنا دے!
میں ہوں ترے قدموں میں مجھے کچھ نہیں کہنا
اب جو بھی ترا لطف کرے یا نہ بنا دے

یادِ ایّام

ذوقِ صورت ساز و شوقِ جلوہ ساماں داشتم
یاد آیا ہے کہ منزل منزلِ جاں داشتم

دست در دستِ نگارِ شوق و میرِ کوہِ طور
بو د حاصل ہر تمنائے کہ پنہاں داشتم

از جمالِ حسنِ ساقی، صد بہاراں در نظر
نذ فروغِ بادۂ برخود صدِ گلستاں داشتم

در فضائے آسمانِ حسن چوں صیارگاں
اصغر دہم شادہم اخترِ غزلخواں داشتم

کہ بزیرِ طور ہیم دعوتِ ذوقِ نظر
گہ بہ تفقش دولتِ حسنِ خراماں داشتم

آہ آں ساعت کہ از فیضِ جمالِ ہم نشیں
ہر نفس در ہر نظر، جنت بداماں داشتم

حسرتِ آفت سرشت و آرزوئے بیقرار
آنچہ در دل داشتم بے حد و پایاں داشتم

مخترستاں بودم و از فیضِ دردِ مستقل
پیشِ چشمِ شوق ہر سو مخترستاں داشتم

کیست؟ کہ گوید بہ سرکارِ ازل بیکس پیام
چوں تو کافر ماجرا سرِ خسرواں داشتم

ہم چمن آوارہ ام ہم سر بہ صحرا دادہ ام
می جگر ہستم اہماں کا مرز دور افتادہ ام

یاد ہیں اب تک جگر وہ بیقراری کے مزے
وہ جبینِ شوق اپنی، کسی کے پائے ناز

وہ جبیں کی لگاوٹ زخم کاری کے مزے
سجدہ ریزی کی لطافت اشکباری کے مزے

حسن کی سرشاریاں، خوابِ جوانی کی بہار
عشق کی بیتابیاں، شب زندہ داری کے مزے

کہئے کیا کیفیت ناز و نیازِ حسن و عشق!
رازداری جانتی ہے رازداری کے مزے

وہ سکونِ بیخودی وہ جلوہ حیرت فروش
وہ جنونِ شوق وہ بے اختیاری کے مزے

شوق کی روداد پر وہ حسن کی بے مہریاں
عشق کی فریاد پر وہ شرمساری کے مزے

آنکھوں آنکھوں میں تقاضہ کچھ نگاہِ ناز کا
دل ہی دل میں اف وہ ذوقِ جاں نثاری کے مزے

انتہائے سادگی و شوقِ سامانی کے لطف
ابتدائے عاشقی و خامکاری کے مزے

دل مجسم درد ہے دل ہی سے اک دن پوچھئے
شام سے لیکر سحر تک دم شماری کے مزے

ہر جمالِ نو کی پیہم اللہ اللہ شانِ خامی
ہر خیالِ تازہ کی نااستواری کے مزے

عشق سے مضبوط ترک عہدِ مطلب کی شکست
حسن کی نامستقل غفلت شعاری کے مزے

وہ اک ابہامِ تمکیں جا بجا مضطر سے سلوک
وہ نگاہ سرمگیں کی غمگساری کے مزے

اپنی ہی لغزش سے پیدا عشق کا لطفِ یقین
اس کے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے

آہ وہ دورِ محبت کی گزشتہ لذتیں
خوشگواری کے مزے ناخوشگواری کے مزے

ہر نفس ہے اب تو اعلانِ شکستِ آرزو
اب کہاں بے پردگی میں پردہ داری کے مزے

قطرہ قطرہ موجِ صہبا، ذرّہ ذرّہ جامِ جم!
اب کہاں سے لائے اس میگساری کے مزے

شورِ مستانہ کجا و جلوۂ ساقی کجا!
آہ، آں منظر کجا و آں مئے باقی کجا!

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظامِ آرزو!
سن پیامِ آرزو، بعد از سلامِ آرزو

تو کہ جانِ حسن ہے اور حسن تیری جان ہے
ہاں مبارک ہو تجھے عیشِ دوامِ آرزو!

تیری ہر موجِ تبسم، تیری ہر موجِ نظر!
ایک برقِ خوش تجلی ہے بالائے بامِ آرزو!

تیرا رخِ آتشیں، مسجودِ صبحِ دلبری — تیری زلفِ عنبریں معبودِ شامِ آرزو
چشم و دل پر وہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت — اللہ اللہ تو کرے یوں احترامِ آرزو!
میں نہیں بھولا تجھے، تجھ کو بھی شاید یاد ہو — مجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو!

حرفے از دردِ دلِ بے مدّعائے گفتن است
ماجرائے گفتن و صد ماجرائے گفتن است

مجذوب کی صدا

اسی تلاشِ تجسس میں کھو گیا ہوں میں! — اگر نہیں ہوں تو کیونکر؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں
بیانِ جرم، محبت ہے، جانتا ہوں میں — خطا معاف، کہ مجبورِ التجا ہوں میں!
فریب خوردۂ رنگینیٔ ادا ہوں میں! — نظر کی چند شعاعوں میں گھر گیا ہوں میں
کمالِ بے بصری، پھر بھی کیا بلا ہوں میں! — وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے یہ دیکھتا ہوں میں
تمام اصل و حقیقت کا آئینہ ہوں میں — خدا نہیں ہوں مگر مظہرِ خدا ہوں میں!
کرشمہ سازیٔ ہنگامۂ جہاں معلوم — خود اپنے حسنِ صفاتی پہ مبتلا ہوں میں
جہانِ عشق میں آوارگی نہ پوچھ مری! — ازل سے گرمِ عریضۂ بلا ہوں میں
گواہ ہیں مری رسوائیاں محبت میں — تمام شوق ہوں، اور شوق برملا ہوں میں
جنونِ عشق میں عریانیوں پہ مری نہ جا — بہت قریب، بڑا دیر آشنا ہوں میں
نمود و بود کا کل راز جس میں مضمر ہے — بساطِ عجز پہ وہ نقشِ ابتدا ہوں میں!
فتادگی مرا شیوہ شکستگی مری شان — خود اپنی راہِ حقیقت کا رہنما ہوں میں!

مجھ میں محو اک نہ آئیں گے معنی و مطلب
مجھے نہ سن کہ بہت دور کی صدا ہوں میں

گراں ہے میری لطافت پہ غبارِ وجود
اسے بقا مری سمجھو، اگر بقا ہوں میں

کدھر ہے منظرِ ہستی کے دیکھنے والے
یہ ساز وہ نہیں جس ساز کی صدا ہوں میں

وہ جام اک مئے بے رنگ کا پلا ساقی
کہ بھول کر بھی نہ پھر محوِ ماسوا ہوں میں

بجا ہے حسن اگر مجھ پہ اعتماد کرے
دلِ ربودہ و آہِ شکستہ پا ہوں میں!

نگاہِ شوق کو بھی رخصتِ کلام نہ دی
مزاج جس سے کسی درجہ آشنا ہوں میں

قدم ذرا جو ہٹے جادۂ وفا سے کہیں
ہر اک ذرہ پکارا کہ دیکھتا ہوں میں!

کھلا ہوا ہے مرے سامنے صحیفۂ عشق
سمجھ رہا ہوں اگر کیا سمجھ رہا ہوں میں

مٹائے لاکھ زمانہ مٹا نہیں سکتا
اگر یہ سچ ہے کہ تیری ہی اک ادا ہوں میں

ہر ایک شئے نظر آتی ہے خود مری تصویر
جہاں سے منظرِ فطرت کو دیکھتا ہوں میں

فضائے دہر کی ہر موج جس سے رقص میں ہو
وہ ایک نغمۂ بے ساز و بے صدا ہوں میں

جہاں نہ چھو سکیں ہم آغوش نوائیاں میری
کہ سوزِ سینۂ اربابِ باصفا ہوں میں

تصورات کی آئینہ بندیاں بے سود
تعینات کی دنیا سے ماورا ہوں میں

مجھے تلاش کرے بےخودیٔ شوقِ سجود
یہاں پہنچ کے منزلِ مقصد پہ کھو گیا ہوں میں

مجھے نہ چھیڑ بہت اے نسیمِ صبحِ کرم!
تمام شوق و شکایت کا ماجرا ہوں میں!

مٹا نہ صفحۂ ہستی سے میرا نقشِ وجود
کہ فخرِ عاشقی و نازشِ وفا ہوں میں!

جگر! یہ ہرزہ سرائی مری، یہ بے ربطی
یقیں ہوا کسی "مجذوب" کی صدا ہوں میں

نغمۂ اسلام

ہر طرف غلبہ ہے وہ آیا جگر بادہ پرست
از لغزشِ صہبائے سراپا بدست

شعرِ حافظ بزباں جام بکف شیشہ بدست
بے خبر از ہمہ عالم چہ بلند است وچہ پست

شورِ مستانہ کہاں اور مجمعِ وعظ کہاں
آج یہ رند کہاں !! انجمنِ وعظ کہاں !

جمع مومن بھی ہیں دیندار بھی ہیں !
معتدل رنگ کے کچھ لوگ ہیں احرار بھی ہیں

واقفِ رازِ سراپا وہ اسرار بھی ہیں !
دیں کے طالب بھی ہیں دنیا کے طلبگار بھی ہیں

کیا سمجھ کر یہ چلے آئے ہیں اپنے جی میں
ان سے پوچھو تو کوئی آپ ہیں کس گنتی میں

جانتا ہوں کہ ہوں دراصل میں ننگِ اسلام
کچھ نہ اندیشۂ آغاز نہ خوفِ انجام

میری آشفتہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام
وہی میخانہ وساقی وہی بادہ وہی جام

مجھ کو اپنی روشِ خاص سے انکار نہیں
میرے مشرب میں ریاکاری دیندار نہیں

باہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی !
ہوں در احمدِ مرسل کا غلام ! المدنی

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کیوں نہ پھر رحمتِ باری کا طلبگار رہوں میں
ہاں مجھے فخر ہے اس پر کہ گنہگار ہوں میں

وہ رسولِ عربیؐ، فخرِ رسولانِ سلف — ذاتِ اقدس سے ملا جس کہ زمانے کو شرف
جس پہ نازل ہوا قرآن سا کامل مصحف — جس کے تابع جن و انساں بھی ملائک کی بھی صف

ایک وہی شمعِ نبوت جو ضیا بار ہوئی
ساری تاریک فضا مطلعِ انوار ہوئی!

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے — مصلحِ ملی و ملکی بھی، رشی بھی آئے!
حق کے جو بن رہے بھی اور حق کے ولی بھی آئے — واقفِ محرمِ سرِّ ازلی بھی آئے!!

آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر!
کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر

کس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو — کس نے پیغامِ مساوات سنایا سب کو
راہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو — کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو

تم نے دیکھا ہے بہت دفترِ پیغام اس کا!
اور ایسا کوئی گذرا ہو تو لو نام اس کا!

تم میں صدیقؓ سا گزرا ہو تو للہ دکھاؤ — تم نے فاروقؓ سا دیکھا ہو تو للہ دکھاؤ
کوئی عثمانؓ سا آیا ہو تو للہ دکھاؤ — کوئی حیدرؓ سا جو پایا ہو تو للہ دکھاؤ

خلفا احمدؐ بے میم تو کیا لاؤ گے!
اس کی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے!

غم نہ کر مسلمِ حیرت زدہ مہر بلب — آشنا رنگِ فنا سے ہی نہیں تیرا مذہب
یہ حوادث ہیں یہ تیرے تری ترقی کے سبب — تیرے حامی ہیں نبی، تیرا نگہبان ہے رب
فتنے اکثر بہت اس طرح کے اٹھوائے گئے — ایسے دجال زمانے میں بہت آئے گئے

ہلالِ عید

ناتمام
نقش دورِ ابتدائی

تو او عشرت فزائے روحِ انسانی ہلال
آہ او قدرت نمائے شانِ یزدانی ہلال
آہ او فطرت بقائے بزمِ نورانی ہلال
آہ او صورت کشائے ذوقِ وجدانی ہلال

تو نویدِ انبساطِ خاطرِ پژمردہ ہے!
حسرت اس مایوس پر اس پر بھی جو افسردہ ہے

دیکھتا ہوں میں تجھے، تو دیکھتا ہے میرا حال
جانِ مضطر قلبِ آزردہ پریشاں حرکہ بال
تو دلیلِ اوج و رفعت میں سراپا پائمال!
آہ یہ دن آہ یہ شب آہ یہ شامِ ملال

از دلِ افگار جنوں وجہِ دل افگاری مپرس
آہ غمخوارِ غم! حالِ غم آزاری مپرس!

حال میرا پوچھتا ہے، مجھ سے تو اے بےخبر!
ہو چکی تاریک چشمِ یاس میں شام و سحر
آہ وہ غم کی کہانی بڑھ گئی ہے کسقدر
جس کو میں سمجھے ہوئے تھے داستانِ مختصر

سال بھر پیچھے عیادت کو میری آیا ہے تو
لا دوائے اضطرابِ درد کیا لایا ہے تو

خیر تو خاموش ہے تو ہم سمجھتے ہیں یہ راز
خیر تو چپ ہے تو ہم خود ہی بجاتے ہیں یہ ساز

اٹھ گئی تھی جب سے تیری جانب اک انگشتِ ناز
ہے اسی دن سے طبیعت تیری اس درجہ گداز

تیرے گھٹنے اور بڑھنے میں بھی پنہاں بھید ہے
تو قتیلِ غم نہیں ہے زندۂ جاوید ہے!

مجھ میں اور تجھ میں اک زمین و آسماں کا فرق ہے
میں ہوں مضطر تو ہوائے دلکشی میں غرق ہے

تیرے آگے زرد چہرہ آفتابِ شرق ہے
اور میرے واسطے تیری جھلک بھی برق ہے

ہاں مگر ایک امتیازِ عاشقی مجھ میں بھی ہے
جانتا ہوں میں کہ جو مجھ میں ہے وہ تجھ میں بھی ہو

فرق اتنا ہے کہ تو ہے کامیابِ آرزو
ذرۂ حسرت ہوں میں تو آفتابِ آرزو

اُٹھ چکا ہے تیری نظروں کو حجابِ زندگی!
اور اب تک گم ہوں میں زیرِ نقابِ آرزو

لاکھ پر بھاری ہے اے تیرا ایک ہستیِ نحیف
دیکھ لینے سے ترے کھل جاتی ہے چشمِ ضعیف

اک زمانہ تھا کہ تھی میری طبیعت بھی گداز
اب تو ہوں اک ہستیِ موہوم کا خاموش راز

جلنے بجھنے سے تھی جبیں میں کر چکا صرفِ نماز
ہو چکی پہنائی غم اٹھ چکے اب دل کے راز

بدر تھا پہلے، مگر اب میں ہلالِ ہو گیا!
ہجر میں اتنا گھلا، نقشِ خیالی ہو گیا

آ، کہ رخصت تجھ سے ہو لوں تیری رخصت دیکھ لوں
آ، کہ دم بھر اور اپنا نقشِ حسرت دیکھ لوں

آ، کہ تیرے آئینے میں خطِ قسمت دیکھ لوں
آ، کہ اپنے دیکھنے والے کی صورت دیکھ لوں

دیکھ کر صورت تری اے جان اپنا دیدوں گا تجھے!
اب کے دیکھا ہے تجھے اب کے نہ دیکھوں گا تجھے

برخویش نگاہے کن

نورِ مطلق کی ضیا اس عرش کے تابحر میں دیکھ
اپنی خوابیدہ حقیقت دل کے گھیلوں میں دیکھ

اعتبارِ حسن پر یہ شورشِ ہستی تری
کچھ خبر بھی ہے تجھے کیا چیز ہے ہستی تری

ختم ہونے کے قریب آیا ہے افسانہ ترا!
خود پیامِ مرگ ہے محدود ہو جانا ترا

قیدِ ہستی سے ابھر اور اپنی خود آواز بن!
نغمہ بنتا ہے اگر، تو نغمۂ بے آواز بن

تو چھپاتا کیوں ہے؟ اپنے حسنِ عریانی کا راز
بوئے گل کی طرح پھیلا دے پریشانی کا راز

اک جدائی کے سبب ہنگامہ برپا ہو گیا
مل گیا دریا سے جب قطرہ تو دریا ہو گیا

تشنگی کو بحرِ ناپیدا کنارِ دل بنا!
پھر اگر بھی موج ہو تو کشتی بنا ساحل بنا

ہر نفس میں تیرے پوشیدہ ہے میخانہ ترا!
کُل فضائے دہر اک چھوٹا سا پیمانہ ترا

زندگی کا راز پنہاں انتشارِ غم میں ہے
اک پیامِ مستقل ہر نغمۂ برہم میں ہے

غم سے وابستہ ہے ہر عنوانِ بابِ زندگی!
ہے یہی بسم اللہ اُمّ الکتابِ زندگی!

تخمیس بر غزلِ اُردو

غمِ عاشقی ہے، فغاں کو بجھے ہے!
ہر اک لحظہ، منظورِ نیاز رد بر وہ ہے

کہیں سبزہ و گل کہیں دشت ہو ہے
تری آرزو ہے، تری جستجو ہے!
خیال ایک جانب، نگہ چار سو ہے

محبت ہی ناظم، محبت ہی ناشر!
محبت دکھاتی ہے کیا کیا مناظر
محبت ہی باطن، محبت ہی ظاہر
محبت ہی اول، محبت ہی آخر!
محبت ہی میں ہوں محبت ہی تو ہے

ترا وصل اچھا، ترا ہجر پیارا!
جو منظور تجھ کو ہمیں سب گوارا
ترا شعلۂ عشق، آنکھوں کا تارا
بھڑکتی ہوئی جان کا غم سہارا
دھڑکتے ہوئے دل کی تسکین تو ہے

وہ عارض شگفتہ گلِ باغِ جنت
وہ پیشانی صاف صبحِ سعادت
وہ چشم سیہ، سایۂ ابرِ رحمت
وہ رنگِ نزاکت، وہ حسنِ لطافت
کلی کا تبسم ہے، پھولوں کی بو ہے!

کہیں عشق ہی عشق ہے مست و رسوا
کہیں حسن ہی حسن ہے بادہ پیما!
غرض چھان ڈالی محبت کی دنیا
ان آنکھوں نے دیکھا ہی اک تماشا!
کہیں میں ہی میں ہوں کہیں تو ہی تو ہے

وہ کچھ ہیں سب دل کے انداز کہیئے
محبت کا انجام و آغاز کہیئے!
ہر اک راز بے پردہ راز کہیئے!
کہاں تک غم عشق شیراز کہیئے
کہ ہر آرزو محشرِ آرزو ہے!!

٭٭٭٭٭

تخمیس بر غزلِ فارسی

مجھے لختِ جگر می فروشم
مجھے حاصلِ چشمِ تر می فروشم!
بہر گام لعل و گہر می فروشم
نہ تنہا دل و جان و سر می فروشم
دو عالم بہ تیغِ نظر می فروشم!

ازل سے ہوں خوگردۂ یاس و حرماں
مری طبع خوددار ہے ناپشیمان
مبادا کہ ہو مشکلِ شوق آساں
من آں دردمندم کہ دردِ درماں
دعا می فروشم، اثر می فروشم

جدا ہے زمانے سے میری طبیعت
گوارا نہیں ایک دم ایک حالت
وہی میں وہی تو، وہی چشمِ رحمت
چہ ایذا پسندم کہ در عینِ قربت
بشامِ جدائی سحر می فروشم

سُنے تھے بہت میں نے بھی یہ فسانے
نگاہوں میں پھرتے تھے اگلے زمانے
دکھایا مجھے بھی یہ عشقِ وفا نے
بہر لحظہ می گیرم از غیب جانے
بہر لمحہ جانِ دگر می فروشم

ترے ہاتھ سے ہوں شہادت کا خواہاں
نہ رکھ میری گردن پہ غیروں کا احساں
یہ جاں تیرے صدقے یہ دل تیرے قرباں
نہ تیغِ اشارت سرافراز گرداں
بجز دم سرے تو سر می فروشم!!

بلندی ہی باقی رہی اب نہ پستی
فدا تجھ پہ میں اور میری مے پرستی

یہ حکم ہے بس اب حاصلِ حسن ہستی ‌ ‌ ‌ ‌ محو فنا ذوق و مستی کہ ہم ذوقِ ہستی

مسرت گر دم ذرہ بے خبری فرد شم

غزل می سرایم چہ حال و چہ محال است ‌ ‌ ‌ ‌ خیال است مستی، و مستی خیال است

بجانِ محبت کہ خونم حلال است ‌ ‌ ‌ ‌ جگر ایں چہ شور و جگر ایں چہ حال است

کہ سر دادم و باز سرمی فروشم

مثنوی عرفان خودی

المعروف بہ

سرودِ حقیقت

میرا نہیں غیر کوئی محرم ‌ ‌ ‌ ‌ سب مجھ میں ہے کائناتِ عالم

غنچوں میں نہاں ہیں مرے اسرار ‌ ‌ ‌ ‌ پھولوں میں عیاں ہیں میرے انوار

ذروں میں چمک ہے میرے دم سے ‌ ‌ ‌ ‌ قطروں میں جھلک ہے میرے دم سے

ہر بام ہے کوہ طور میرا ‌ ‌ ‌ ‌ عالم پہ محیط ہے نور میرا

ہے جسم میں سب کے جان مجھ سے ‌ ‌ ‌ ‌ وابستہ ہے کل جہان مجھ سے

میں جسم بھی اور جان بھی ہوں! ‌ ‌ ‌ ‌ میں دل بھی ہوں زبان بھی ہوں

یعنی یہ جہاں نہیں ہے میں ہوں ‌ ‌ ‌ ‌ یہ کون و مکاں نہیں ہے میں ہوں

کعبے کی مرے سبب سے بنیاد ‌ ‌ ‌ ‌ بت خانہ مرے قدم سے آباد

ناقوس کہیں، کہیں اذاں ہوں ‏ — ‏ نغمہ ہوں کہیں، کہیں فغاں ہوں
ہر قلب میں ہے مقام میرا ‏ — ‏ فیضانِ ہے سب پہ عام میرا
حسن اک نگاہِ ناز میری ‏ — ‏ عشق اک صفتِ نیاز میری
دریا میری چشمِ تر سے پیدا ‏ — ‏ صحرا مری خاکِ در سے پیدا
کیا ان کا بیاں کریں زبانیں ‏ — ‏ محدود نہیں ہیں میری شانیں
ہوش و خرد ہوش سے باہر ‏ — ‏ میں ان کی دسترس سے باہر
اک بحر ہے میرے ظرف میں گم ‏ — ‏ کل میرے ہر اک حرف میں گم
خود موت ہوں خود حیات ہوں میں ‏ — ‏ خود ذات ہوں میں خود صفات ہوں میں
سب اہلِ نیاز میرے انداز ‏ — ‏ کونین کا راز میرے انداز
کھلنے پہ جو آئیں میرے اسرار ‏ — ‏ اوراق ہوں دو جہاں کے بیکار
اک بات میں سیکڑوں ترنم! ‏ — ‏ اک چپ میں ہزار ہا تکلم!
چہرے سے جو میں نقاب اٹھا دوں ‏ — ‏ پروانوں کو شمع سے چھڑا دوں
دانش کو اگر جھنجھوڑ دوں میں! ‏ — ‏ دنیا کا غرور توڑ دوں میں!
احساس کی آنکھ سے ہوں مستور ‏ — ‏ ادراک کی سرحدوں سے ہوں دور
کیونکر ہوں مرے شمار عالم ‏ — ‏ ہر سانس میں ہیں ہزار عالم
لیکن بخدا، خدا نہیں ہوں ‏ — ‏ اس کبر میں مبتلا نہیں ہوں
یہ شانِ عبودیت ہے میری ‏ — ‏ خود ذات مری صفت ہے میری
پابندِ شریعت بھی ہوں! ‏ — ‏ خاکِ درِ دولتِ غنی[1] ہوں

[1] مرشدنا و مرجع روحانی حضرت مولانا قاضی سید عبدالغنی منگلوری ۱۲ جگر

واسوخت در غزل

دل ہی کو صنم بنائیں گے ہم ! — آئینے کہیں نہ جائیں گے ہم !
تجھ سے بھی سوا حسین بن کر — اپنا سا تجھے بنائیں گے ہم !

وہ دن بھی قریب ہیں کہ ظالم ! — تو روئے گا مسکرائیں گے ہم
باطن میں ترے قریب رہ کر — ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم

زندہ ہی رہے گی ہستی عشق ! — مرنے پہ بھی مر نہ جائیں گے ہم

چھٹتا ہے کہیں ترا تصور !!
ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے ہم

کوئی جو نہیں ، نہ ہو ہمارا — اللہ سے لو لگائیں گے ہم !
تعمیر کنشت دل کو ڈھا کر — اک کعبۂ نو بنائیں گے ہم !

روپوش تری نظر سے ہو کر — پہروں تجھے یاد آئیں گے ہم
باطن میں ہو جو بھی دل کی حالت — ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم

ہر بات میں کر کے بات پیدا — جب چاہیں گے روٹھ جائینگے ہم
پہلے دے کر فریبِ وعدہ — امیدِ کرم دلائیں گے ہم !

پھر کر کے خراب شوق برسوں — صورت نہ تجھے دکھائیں گے ہم
جنگل جنگل رلانے والے — کونے کونے رلائیں گے ہم

دیوانہ کی بڑ سمجھ نہ اس کو ! — جو کہتے ہیں کر دکھائیں گے ہم
بیزار جگر کی شرم رکھ لے — کب سے ترے ناز اٹھائینگے ہم

میرے لئے

اف وہ روئے تابناک و چشم تر میرے لئے
ہائے وہ زلف پریشاں تا کمر میرے لئے
ہر نفس میں ایک دنیائے محبت نو بہ نو
ہر نظر میں اک پیام تازہ میرے لئے
جب وہ لغزیدہ قدم میری طرف
ہائے وہ دزدیدہ دزدیدہ نظر میرے لئے
وہ رخِ رنگیں پہ انوار محبت زرد زرد
وہ لبِ نازک پہ طوفان میرے لئے
سر سے پا تک آہ وہ اک پیکرِ حسن جمال
چار جانب دیدۂ حسرت نگر میرے لئے
سرد سرد آہوں میں تاثیرِ محبت گرم گرم
خشک خشک آنکھوں میں جوش تشنگی تر بتر
جوشِ غم، جوشِ حیا، آغاز حسن احساسِ حسن
کشمکش ہی کشمکش آٹھوں پہر میرے لئے
سامنے آتے ہی آئے وہ تنفس تیز تر
سینۂ شفاف وہ زیر و زبر میرے لئے
وہ سرک جانا یکایک روئے تاباں سے نقاب

حیرت افزا رونق دیوار و در میرے لئے
ہر ادائے جاں نوازی، حسن خیز و عشق تیز
پھر بھی اک کیف مبہم بے اثر میرے لئے
اف وہ آغوش ہوس، بیتاب آغوش دگر
اف وہ درد و شوق محتاج اثر میرے لئے
ہائے وہ رنگین طرح و سیمیں تن فرزیں کمر
ہائے وہ لعلیں لب و سلک گہر میرے لئے
شبنم آلودہ وہ آنکھیں وہ گلاب افشاں جبیں
وہ دھڑکتا دل، وہ گھبرائی نظر میرے لئے
اک نگاہ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں
معنی بے لفظ و شرح مختصر میرے لئے
کیا سراپا بے نیاز ربط و ضبط حسن و عشق
وہ مجسم حسن و عشق معتبر میرے لئے
وہ میری آزاد فطرت وہ میری تمکین جنوں / وہ شکست حسن و نیچی نظر میرے لئے
اولاً اولاً آہ وہ دل میں میرے احساس عشق / آخراً آخر اف وہ نوک نیشتر میرے لئے
لحظہ لحظہ وہ میرا ہر دم سکوت مضطرب / لمحہ لمحہ عالم نوح دگر میرے لئے
اف وہ کہتا کس کا تم پا جو میں پا ہیں دو اگر / ہائے جگر کے واسطے ہو ٹکڑے جگر میرے لئے

مستانہ است جگر از مے مستِ ناب اولے!   از خانہ خراب است او خانہ خراب اولے

من طالبِ آزارم، آرام نمی خواہم   بر جانِ من خستہ صد گونہ عذاب اولے!

از غمزہ و نگاہ من ہیچ نمی دانم!!   گر گنجِ گراں سلطان در قسمتِ ما ایں خرابہ اولے

در آرزوِ بحرے ما پوییم و می جوییم!   زیبا موج و زیبا دریا ما راست یک قطرہ اولے

بسیار بدیم گفتی اے از من بشنو واعظ   از ہر دو جہاں تو یک جامِ شراب اولے

ما عاشقِ شیدائیم از خیر بیزارم کار   گر مہرِ فلک از تو صد چشمِ عتاب اولے

من ساغرِ در کعبہ مطرب تو بخواں بیروں   صد توبہ و صد طاعت غرقِ مےِ ناب اولے!

تا کے جگر ایں مستی بشنو سخنِ حافظ

رندی و خراباتی در عہدِ شباب اولے

اے آنکہ بہم کردہ ہشیاری و سرمستی   یک جرعہ خدا را دہ زاں میکدۂ ہستی

خاکم رہِ دلم مفلس اے جان ز سرمستی   صد نغمہ برانگیزد سازے کہ تو بشکستی

صد حسن و ادا پنہاں صد جلوہ از او پیدا   قربانِ نگاہِ تو نازیم با بی مستی

از اول گامِ عشق کردیم نثارِ حسن   دنیا و غمِ دنیا ہستی و غمِ ہستی

گہ تا فلک الافلاک گہ بیخبر از خویشتم   گاہے بجہاں ہوشم گاہے بجہاں ہستی

آں رندِ خراباتم نا شکر کہ جگر خواند

صد ہوش بجہاں درد، با ایں ہمہ سرمستی

گر از سرے بیابم صد عمرِ جاودانی   بر من حرام بادا بے دوست زندگانی!

ما ہیچ است زندگی و اسبابِ زندگانی!   بگذار تا بعزم بی پردہ ہائے فانی

کارے ست مشکل لیکن اے دل اگر توانی   صد طیبہ زندگانی از اصلِ زندگانی

عمرے است کہ فانی این سرے ست جاودانی　　اے گوشہ گیر خلوت ایں نکتہ را چہ دانی

یک جام خندہ ساقی لبقا فاش فاش گویم　　زاہد خبر ندارد از سر زندگانی

ہم از برائے نقاش دست قضا است پنہاں　　پیری کہ در لباس دست تاراج از سر جوانی

ایں نہ رواق اخضر در پائے او فگندہ　　کو ہیچ شے ندارد جز درد جاودانی

من از نہاد ائے عشقت کہ امید مژدہ گیرم　　طاقت کجا کہ چینم گل از رخ جوانی !

عشقم چہ سحر کرد صفت چو گل شگفتہ　　ایں راز او نہان است من دانم و تو دانی

بر روز فیض گرم از روح قدس حافظ
بر سوئے حق گواہ است ایں جوش ایں معانی

ہر دم زمانہ تازہ با عاشقاں بہ بازی　　گاہے رواں گدازی گاہے زجاں گدازی

اے آنکہ یک اشارت است عقدہ ہا کشادہ　　رحمے بحال ما ہم ، شاہنشہ حجازی

برخیز دار مرحمہ ور راہ او قدم زن !
تا کے جگر ! بہ مستی تا کے بہ عشق بازی

فارغ زخزانے و ہم از باغ و بہارے　　مائیم و خیال رخ خورشید نگارے

دیدیم بہ در ویرانہ نصیب سعید کارے　　میخانہ بدہ شیشہ و گلستاں بکنارے

بر بلوی ما پرس از آں سیمہ نگارے　　در علیین بہارے کہ جدا شد ز بہارے

بیچارہ منگر بہ چمن لاغر ز بہارے　　افسانہ ما پرس ز لوک سر خارے

لغزم بہ ہوائے من در دیم طرف عقل　　دشمن بہ کمینے و نگاہم بہ نیسیارے

یک داغ آزار نہ عشق بہ سینہ　　ایں است خزانے و ہمیں است بہارے

شبنم مہ مژگان است کہ شبنم بر سر شاخ　　شبنم سر شاخ است کہ منصور بدارے

صد بار گر شبنم ز هر مرحلهٔ عشق!! / حیرت بهمان طرز ادا آئینه دارے!

بلبل همه تن خون شد و گل شد همه تن چاک / اے وائے بہارے اگر این ست بہارے

اغیار به دل محرم راز و دل تو مشغول / خلقے بہ پیمانہ دیوانہ و دیوانہ بکارے

اے خسرو خوباں، نظرے کن ز سر مہر

افتادہ بکوئے تو جگر سینہ فگارے

سحر آمد ابر آمد حجاب ہائے راز شد / کہ ترجمہ ما سبب باز از حقیقت و مجاز

بر رسالہ صبا پیامم، بہ حبیب دلنوازے / کہ ہمہ صورت ز نشاط شوق و غم متقی جگر دارے

کہ ہوائے عشق ... بہ جوانی گدا نازے / کہ ز سوز و درد دل ہمہ جا صورت سازے

تو مرا مجو بجانان چہ کنم بحال زارے / ز تمام سوختہ ہم ز غم الحت نے نوازے

ہمہ شہر رفتہ گشت ز ہمال نیاز و نازے / دل ما غزنوی اسیر خم طرہ ایازے

بہ میان جان و جانان چہ قیامت ست اگر / ز خم ادر نظارہ سوئے تو دل ما نظارہ سازد

ہمہ جلوہ عکس روئے ہمہ نغمہ گفتگوئے / زہے با صد فریبے از ہمہ سو فرازے

ز نوازے کہ خیزم بہ ہمہ کعبہ بت نہفتہ / ز نوائے سجدہ ریزم بہ ہمہ بتکدہ حجازے

تو ز خاک ما حذر کن کہ دریں مقام حافظ / دل ما ز شعلہ گیرد ز تجلی نیازے

جگر عرب اچہ نازی کہ متاعِ جذبہ دل

تو بسیر کار در خود کن، بخدائے کار سازے

من راست راست گویم دارم گل جوانے / کہ بہ ہمیں اشارہ فرمہ بلبل بد نشانے

آں جام ہوش در کف ایں پائے گل در گل / آں سست عشق جاناں ایں ہست عشق جانے

اے جان عمر ابرار تا کہ زود در دل تو / کہ سوز اغنیا فقت کالا دہ مجلسے!

همت اگر تو داری، در عشق کوش اے دل!
این جان تازہ برگیر، از بارگاہِ جانے

شب میکدہ چو رفتم دیدم عجب بہارے
ساقی ست مست و مخمور، زلفش ست پریشید

در شوق طلعتِ او دیدم دگر گلزارے
ہر جا نظر فگندم دیدم بہشت زارے

شورے قیامتے دیدم، بے پردہ ہجر یارے
ساقی بدہ پیالہ تا بشکنم خمارے

دیدہ ز ہر نگاہے دیدم ہم نگارے
پیمانہ در لبانے، میخانہ در کنارے

آمد بیعت ساقی، اندیشۂ خمارے
زاں میکدہ عطا کن، یک جام زر نگارے

ہشیار بگذر اے دل! در راہ عشق و مستی
ہر موج مے در اینجا بحریست بے کنارے

رازے عجیب گفتم از عاشقے کہ می گفت
با ہم وصال و ہجراں، وصلے و ہجر یارے!

در عاشقی و مستی، مگریز از ملامت
کاں خاک راہ کوئش تا چیست زر نگارے

ہر قطرہ گر نبینی، در آب زندگانی!
ہم موج و ہم سفینہ ست، ہم بحر و ہم کنارے

آں را کہ شرح کردہ ایں ستہ گی فسانہ
منصور بود شخصے، مشہور شد بدارے

تو ہم درگیس مستانہ داری!!
بیک ساغر عجب میخانہ داری

کتاب دل نہ تنہا عشق خیزم!
تو ہم افسانہ در افسانہ داری!

سراپا
ناتمام

دل بردہ از من بہ روزِ شامے — فتنہ طرازے، محشر خرامے

روئے مبینش برصبحِ تجلّے !! — لوحِ جبینش ماہِ تمامے

مشکیں خطِ او سنبل بہ گلشن — لعلیں لبِ او بادہ بہ جامے

چشمے کہ کوثر یک جرعۂ او — قدے کہ طوبیٰ باشد ادنے غلامے

عارض چہ عارض گیسو چہ گیسو — صبحے چہ صبحے، شامے چہ شامے

آں تیغِ ابرو، واں نشترِ مژگاں ! — آمادۂ ہر یک بہ قتلِ عامے

برقِ نگاہش، صد جاں بہ دامن — زلفِ سیاہش، صد دل بہ دامے

ہر شیوۂ او شیریں مقامے — ہر غمزۂ او رنگیں پیامے

از جسم لرزاں، لرزاں دو عالم — وز زلفِ برہم برہم نظامے

گاہے بہ مستی، طاؤس رقصاں — گاہے بہ شوخی، آہو خرامے

از بارِ مینا، لرزش بہ دستے — وز کیفِ صہبا، لغزش بگامے

گفتم چہ جوئی؟ گفتہ دل و جاں !

گفتم چہ خواہی؟ گفتہ غلامے !

پیروی صحابہ کن۔ اسوۂ پنجتن نگر

خطاب بہ مسلم

بچشمِ کشادہ جانبِ رزم گہِ وطن نگر
مقتلِ کانپور بیں، لاشۂ بے کفن نگر!

خونِ حیاتِ ما بسو بخاکِ سرشتہ مو بمو
غلغلہ بر سپہ کوبکو بچہ و مرد و زن نگر!

عشقِ نظارہ ساز را، برق بخانماں ببیں
حسنِ نظارہ سوز را، شعلہ بہ پیرہن نگر!

برتنِ حسنِ نازنیں، آہ ز فرق تا قدم
زخمِ شفق شفق ببیں، داغِ چمن چمن نگر

دیدۂ شوخ را کجا؟ خفتہ بخواب نرگسے ببیں
شوخیِ رنگِ رخ کجا؟ سرخیِ پیرہن نگر!

طفل و جوان و پیر را صف بصف ما بہم
بعضے جدا ز ساعد و فرق جدا ز تن نگر!

بچۂ شیرخوار را پیشِ نگاہِ مادرش
چاک ز سینہ تا کمر، کشتہ و بے کفن نگر!

حاکمِ شہر را کہ بود، ثانیِ شمر بالیقین
آہ بجائے قید و قتل، سیر کن وطن نگر
باز بیا نہ آگرہ دجلۂ خوں نظارہ کن!
باز برد بر کاشمیر کشتن و سوختن نگر!
حیف بریں نتیجۂ نظم نظامِ ذہنیت
تیغِ جفائے ہم وطن، بر سرِ ہم وطن نگر!
ہائے ازیں گزندگاں وائے ازیں درندگاں
ہند و بہار و ہند را بسمل و خستہ تن نگر!
تازہ بہ تازہ خونِ خلق موج بہ موج بوئے خوں
نعرۂ حریت شنو، آں لب و ایں دہن نگر
آں ہمہ ہا کہ بنگری، واں ہمہ ہا کہ بشنوی
پردہ بسوز و صورتِ باطنِ صد فتن نگر!
اے کہ تو حق نہادۂ مسلمِ پاک زادۂ
در چہ بلا فتادۂ، خیز بخویشتن نگر!
دشمنِ آدم، آدمے، ہم سخنے نہ ہمدمے
چشم کشادہ یکدمے، فتنۂ اہرمن نگر!
آں ہمہ لغزش و خطا، ایں ہمہ سازش و دغا
خلوتِ اہلِ دل ہمیں جلوتِ اہلِ فن نگر!
بدعت و شرک و افتراق فسق و فجور ہم نفاق

جملہ بحسنِ اتفاق ہمدم وہم سخن نگر!
گاہ بہ کسوتِ طبیب روئے اجل نظارہ کن
گہ بہ لباسِ راہبر، صورتِ راہزن نگر!
نے خبر از حقیقتے، نے اثر از شریعتے
یک سخنے از آن بپرس، یک نگہے بمن نگر!
خدمتِ بے سبب کجا، طاعتِ خاص رب کجا
سادگیٔ عرب کجا، خیز و دو انجمن نگر!
آتشِ قہر آتشکار برق عناد شعلہ بار
صورتِ شیخ زاں ببیں سیرتِ برہمن نگر
تیز و بیا نظارہ کن دل ہمہ پارہ پارہ کن
شوکتِ رفتہ راجو، عبرتِ انجمن نگر!!!
جسم زفاقہ زار، زار روح زور و بیقرار
مادرِ ہند اشکبار، مفلسیٔ وطن نگر!
وجہ ز مفلسی مپرس، سیم و زرِ وطن مجو
رُخ بنما بہ لندن و سیم و زرِ وطن نگر!
جرم و خطا روایتے، عذر و دغا حکایتے
جور فرنگیاں مپرس، دار ببیں رسن نگر
گاہ برو گہ معدلت شان نظر نظر ببیں
گہ بہ جبینِ خسروی، طرز شکن نگر

گاہ بیا بہ شہر و دہ، شمعِ نغمِ زادہ گر ہیں
گاہ برو بہ سرحد، اذن بزن بزن نگر!

جدتِ افتراق ہیں ندرتِ اتفاق میں
فطرتِ ایشیا ہے بہ پیاں حکمتِ علم و فن نگر

شانِ عمارتے ہیں طرزِ سبا ستے ہیں
ایں ہمہ لغتے ہمیں، وآں ہمہ بر وطن نگر!

گاہ بہ لب نغمہ‌کلیسے کہ ز غلام زلو گاں
دعوئے آشتی شنو نازشِ حسنِ وطن نگر!!

نغمۂ سرمدی کجا! جلوۂ احمدی کجا!
سابۂ ایزدی کجا؟ غصۂ اہرمن نگر!

شکوۂ غیرت تا کجا، قصۂ جور تا بکے
آنچہ بر خویشتن گزشت آہ ز خویشتن نگر

مسلم ہند زادۂ پند بگیر و گوش کن!
آنچہ بخویشتن گزشت آہ ز خویشتن نگر

ہمتِ دل بجوش کن در جہاں ہمہ در خروش را
پیروی صحابہ کن اسوۂ پنجتن نگر!

فلسفہ سنجیِ علل، ایں ہمہ وحشت و خلل
زود بجوش در عمل، باز بہ خویشتن نگر

بادِ مراد می دہد سبزہ و غنچہ می دہد
رشحۂ فیض می چکد رحمتِ ذوالمنن نگر!

ساغرِ جہد نوش کن طاعتِ مے فروش کن
باز روش روش خرام، باز چمن چمن نگر

بہ اضافہ کلام اردو

درد جگر

راز جو سینۂ فطرت میں نہاں ہوتا ہے | سب سے پہلے دل شاعر پہ عیاں ہوتا ہے

محنت خوں ریز جب آشوب جہاں ہوتا ہے | نہیں معلوم یہ انساں کہاں ہوتا ہے!

جب کوئی عشق میں برباد جہاں ہوتا ہے | مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے | اہل دل کے لئے سرمایۂ جاں ہوتا ہے

ہائے وہ وقت کہ جب حسن پہ آتا ہے شباب | اف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے

وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب | دل پہ احساس محبت بھی گراں ہوتا ہے

کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی ہو کوئی آزاد | مجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے

ہائے وہ شعلۂ اشک کہ جو تیرے حضور
دل میں رکھتا ہے تو آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

جگر پارے

مجسم حقیقت سراپا فسانہ!
ہمہ شعر و نغمہ ہمہ رنگ و نکہت
آہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم
لرز اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے
حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت
وہ ہر چھیڑ میں اک نئی زندگانی!!
طبیعت شگفتہ، مگر بہکی بہکی!
وہ بے خواب آنکھوں کا سحرِ محبت
وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر
وہ اشک و تبسم کا پرکیف موسم
کبھی روئے زیبا پہ غصہ کی لہریں
غرورِ تحمل، مگر زخم خوردہ!!
شکستِ محبت، مگر فاتحانہ

محبت کا عالم جنوں کا زمانہ!
وہ جانِ تمنا وہ حسنِ یگانہ
ادائے تعلق، نظر مجرمانہ
دھڑکتے دلوں میں وہ نازک فسانہ
شرارت میں موہوم سا اک فسانہ
وہ ہر بات میں اک نیا شاخسانہ
ہر انداز دلکش مگر والہانہ!
وہ بیتاب دل کا فسوں شاعرانہ
کبھی کچھ بہانہ، کبھی کچھ بہانہ
وہ شعر و ترنم کا رنگیں زمانہ
کہ جیسے کوئی بجلیوں کا خزانہ

(تمام شد)

آتشِ گل

جگر مرادآبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

ہر حقیقت کو باندازِ تماشا دیکھا
خوب دیکھا ترے جلووں کو مگر کیا دیکھا

جستجو میں تری یہ حاصلِ سودا دیکھا
ایک اک ذرہ کا آغوشِ طلب وا دیکھا

آئینہ خانۂ عالم میں کہیں کیا دیکھا!
تیرے دھوکے میں خود اپنا ہی تماشا دیکھا

ہم نے ایسا کوئی دیکھنے والا دیکھا!
جو یہ کہہ دے کہ ترا حسن سراپا دیکھا!

دلِ آگاہ میں کیا کہیے جگرؔ کیا دیکھا
لہریں لیتا ہوا اک قطرے میں دریا دیکھا

کوئی شائستہ و شایانِ غمِ دل نہ ملا!
ہم نے جس بزم میں دیکھا اسے تنہا دیکھا

(۲)

یادش بخیر، جب وہ تصور میں آ گیا
شعر و شباب و حسن کا دریا بہا گیا

جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آ گیا
خود بن گیا حسین، دو عالم پہ چھا گیا!

جو دل کا راز تھا اسے کچھ دل ہی پا گیا
وہ کر سکے بیاں، نہ ہمیں سے کہا گیا!

ناصح فسانہ اپنا ہنسی میں اڑا گیا
خوش فکر تھا کہ صاف یہ پہلو بچا گیا

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
ہم وہ نہیں کہ جنکو زمانہ بنا گیا!

دل بن گیا نگاہ، نگہ بن گئی زباں
آج اک سکوتِ شوق قیامت سی ڈھا گیا

میرا کمالِ شعر بس اتنا ہے اے جگرؔ
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

(۳)

دل کو سکون، روح کو آرام آگیا!
موت آگئی کہ دوست کا پیغام آگیا

جب کوئی ذکرِ گردشِ ایام آگیا!
بے اختیار لب پہ ترا نام آگیا

غم میں بھی ہے سرور، وہ ہنگام آگیا
شاید کہ دورِ بادۂ گلفام آگیا

دیوانگی ہو، عقل ہو، امید ہو کہ یاس
اپنا وہی ہے وقت پہ جو کام آگیا

دل کے معاملات میں ناصح! شکست کیا
سو بار حسن پر بھی یہ الزام آگیا!

صیاد شادماں ہے مگر یہ تو سوچ لے
میں آگیا کہ سایہ تہِ دام آگیا!

دل کو نہ پوچھ معرکۂ حسن و عشق میں!
کیا جانیے غریب کہاں کام آگیا

یہ کیا مقامِ عشق ہے ظالم کہ ان دنوں
اکثر ترے بغیر بھی آرام آگیا!

احباب مجھ سے قطع تعلق کریں جگر
اب آفتابِ زیست لبِ بام آگیا

(۴)

شعر و نغمہ رنگ و نکہت، جام و صہبا ہو گیا
زندگی سے حسن نکلا اور رسوا ہو گیا

اور بھی آج اور بھی ہر زخم گہرا ہو گیا
بس کر اے چشمِ پشیماں کام اپنا ہو گیا

اس کو کیا کیجے زبانِ شوق کو چپ لگ گئی
جب یہ دل شائستۂ عرضِ تمنا ہو گیا

اپنی اپنی وسعتِ فکر و یقیں کی بات ہے
جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اس کا ہو گیا

ہم نے سینے سے لگایا دل نہ اپنا بن سکا
مسکرا کر تم نے دیکھا، دل تمہارا ہو گیا!

(۵)

کوئی جیتا، کوئی مرتا ہی رہا
عشق اپنا کام کرتا ہی رہا!

جمع خاطر کوئی کرتا ہی رہا
دل کا شیرازہ بکھرتا ہی رہا!

غم وہ میخانہ، کمی جس میں نہیں
دل وہ پیمانہ، کہ بھرتا ہی رہا

حسن تو تھک بھی گیا، لیکن یہ عشق
کارِ معشوقانہ، کرتا ہی رہا!

وہ مٹاتے ہی رہے لیکن یہ دل
نقش بن بن کر ابھرتا ہی رہا

دھڑکنیں دل کی بھی کچھ کہہ گئیں
دل کو میں خاموش کرتا ہی رہا

تم نے نظریں پھیر لیں تو کیا ہوا!
دل میں اک نشتر اترتا ہی رہا!!

(۶)

گدازِ عشق نہیں کم، جو میں جواں نہ رہا!
وہی ہے آگ مگر آگ میں دھواں نہ رہا

نہیں کہ دل مرا وقفِ غمِ نہاں نہ رہا
مگر وہ شیوۂ فرسودہ بیاں نہ رہا

رہے وہ شوق جو پابندِ این و آں نہ رہا
خوشا وہ سجدہ جو محدودِ آستاں نہ رہا

حجابِ عشق کو اے دل بہت غنیمت جان
رہے گا کیا جو یہ پردہ بھی درمیاں نہ رہا

چمن تو برقِ حوادث سے ہو گیا محفوظ
مری بلا سے، اگر میرا آشیاں نہ رہا

جنونِ سجدہ کی معراج ہے یہی شاید
کہ تیرے در کے سوا کوئی آشیاں نہ رہا

کمالِ قرب بھی شاید ہے عینِ بُعد جگر
جہاں جہاں وہ ملے میں وہاں وہاں نہ رہا

میں نے جب تجھ پر نظر ڈالی جنونِ شوق میں
دیکھتا کیا ہوں، وہ تیرا ہی سراپا ہو گیا

اٹھ سکا ہم سے نہ بارِ التفاتِ ناز بھی
مرحبا، وہ جس کو تیرا غم گوارا ہو گیا!

تو چمن میں جب روش پہ ہو کے گذرے بے نقاب
دفعتاً ہر ایک گُل کا رنگ گہرا ہو گیا!

شش جہت آئینۂ حُسنِ حقیقت ہے جگر
قیس دیوانہ تھا، محوِ رُخِ لیلےٰ ہو گیا

(۶)

روبروئے دوست ہنگامِ سلام آ ہی گیا
رخصت اے دیر و حرم، دل کا مقام آ ہی گیا

منتظر تھی زندگی جس کی، وہ جام آ ہی گیا
باش اے گردوں کہ وقتِ انتقام آ ہی گیا

ہر نفس خود بن گیا میخانہ یہ جام آ ہی گیا
توبہ جس سے کانپتی تھی وہ مقام آ ہی گیا

قطعہ

الامان اللہ یہ مری ترکِ طلب کی وسعتیں
رفتہ رفتہ سامنے حسنِ تمام آ ہی گیا!

اول اول ہر قدم پر تھیں ہزاروں منزلیں
آخر آخر اک مقامِ بے مقام آ ہی گیا

التفاتِ چشمِ ساقی کی سبک تابی نہ پوچھ
میں یہ سمجھا جیسے مجھ تک دورِ جام آ ہی گیا

عشق کو تھا کب سے اپنی خشک دامانی کا رنج
ناگہاں آنکھوں کو اشکوں کا سلام آ ہی گیا

ہر نگہ پر بندشیں ہیں، ایک اک نفس کی پرسشیں
ہوشیار اے عشق، وہ نازک مقام آ ہی گیا

اہلِ دنیا اور کفرانِ زمانہ تا بکے!
خود زمانہ بن کے تیغِ بے نیام آ ہی گیا

شوق نے ہر چند صد ہا تفرقے ڈالے مگر
زندگی کو راس دردِ ناتمام آ ہی گیا

صحبتِ رنداں سے واعظ کچھ نہ حاصل ہو سکا
بہکا بہکا سا مگر طرزِ کلام آ ہی گیا!

بے جگر سونا پڑا تھا مدتوں سے میکدہ
پھر وہ دریا نوش رندِ تشنہ کام آ ہی گیا

(۸)

پرائے ہاتھوں جینے کی ہوس کیا — نشیمن ہی نہیں تو پھر قفس کیا

مکان والا مکاں سے بھی گزر جا — فضائے شوق میں پروازِ خس کیا

کرم صیاد کے صد ہا ہیں پھر بھی — فراغِ خاطرِ اہلِ قفس کیا!

محبت سرفروشی، جاں سے پیاری — محبت میں خیالِ پیش و پس کیا

اجل خود زندگی سے کانپتی ہے! — اجل کی زندگی پر دسترس کیا!

زمانے پر قیامت بن کے چھا جا — بنا بیٹھا ہے طوفاں از نفس کیا

قفس سے ہے اگر بیزار بیٹھیں — تو پھر یہ شغلِ تزئینِ قفس کیا!

ہوا آتا نہیں، پہنچے گی مژدہ تک

نہ آئے گی بہار اب کے برس کیا

(۹)

یک لحظ خوشی کا جب انجام نظر آیا — شبنم کو ہنسی آئی دل غنچوں کا بھر آیا!

یہ کون تصور میں ہنگامِ سحر آیا!! — محسوس ہوا جیسے خود عرش اتر آیا!

خیر اس کو نظر آیا، شر اس کو نظر آیا — آئینے میں خود دیکھ عکسِ آئینہ مگر آیا!

اس بزم سے دل لیکر کیا آج اٹھا آیا — ظالم جسے سمجھے تھے مظلوم نظر آیا!

اس جانِ تغافل نے پھر یاد کیا شاید — پھر عہدِ محبت کا ہر نقش ابھر آیا!

گلشن کی تباہی پر کیوں رنج کرے کوئی — الزام جو آنا تھا دیوانوں کے سر آیا!

یہ محفلِ ہستی بھی کیا محفلِ ہستی ہے
جب کوئی اٹھا پردہ میں خود ہی نظر آیا!

(۱۰)

تیرا تصور شب ہمہ شب　　جلوتِ غم بھی بزمِ طرب
دعوئ شوق اور شکوہ بلب　　شرم! اے دلِ آرام طلب
باتیں ہیں دو مقصود ہے ایک　　تیری طلب یا اپنی طلب!
آہی گیا اک عہدِ شباب　　غنچہ بدست و نغمہ بلب
حسن مکمل، جذب و گریز　　عشق مسلسل ترک و طلب
بیت گئی جو دل پہ نہ پوچھ　　ہجر کی شب اور آخر شب
ترکِ طلب اور اطمینان　　دیکھ تو میرا حسنِ طلب
ہائے وہ دردِ دل کہ جگر!
کچھ نہیں کھلتا جس کا سبب

(۱۱)

سینے میں اگر ہو دلِ بیدارِ محبت　　ہر سانس ہے پیغمبرِ اسرارِ محبت
وہ بھی ہوئے جاتے ہیں طرفدارِ محبت　　اچھے نظر آتے نہیں آثارِ محبت
ہشیار ہوا بے خود و سرشارِ محبت　　اظہارِ محبت! ارے اظہارِ محبت
تا دیر نہ ہو دل بھی خبردارِ محبت　　اک یہ بھی ہے اندازِ فسوں کارِ محبت
تو بھی نگہِ گرم بار کہاں تک　　دم لینے دے اے لذتِ آزارِ محبت

سب پھونک دیے خار و خسِ غم غضب و ذلت
اللہ رے یہ شعلۂ رخسارِ محبت

کونین سے کیا اہلِ محبت کو سروکار!
کونین ہے خود حاشیہ بردارِ محبت

جو عرش کی رفعت کو بھی اُس در پہ جھکا دے
ایسا بھی کوئی جذبۂ سرشارِ محبت

میں نے انھیں تاریک فضاؤں میں بھی اکثر
دیکھا ہے برستے ہوئے انوارِ محبت

ناصح کو ہے کیوں میری محبت سے سروکار
چہرے سے تو کھلتے نہیں آثارِ محبت

میں اور یہ سنگینیِ غمِ عشق ارے توبہ!
تم اور یہ احساسِ گرانبارِ محبت

اب عرضِ محبت کی جگر کیوں نہیں جرأت
وہ سامنے ہیں گرم ہے بازارِ محبت

(۱۳)

غم ہے کیا رہینِ صفات و ذات
غم نہیں ہے تو آرزوئے حیات

نغمۂ آرزو و رقصِ حیات
مرحبا عاشقانِ خوش اوقات

تو محبت کو لازوال بنا!
زندگی کو اگر نہیں ہے ثبات

ہم نے دیکھے ہیں جاگتے ہوئے دل
ہم سے پوچھو ستم کے لمحات

آئنہ ہر نفس حیات و مرگ
عاشقی بے نیازِ مرگ و حیات

باتوں باتوں میں آج آئے سرِ بزم
کہہ گئے وہ ہر اک دل کی بات

آپ جو کچھ کہیں بجا، لیکن!
آپ اپنے ہی ہیں جوابِ الزامات

حسن ہی حسن، جلوہ ہی جلوہ
اللہ اللہ ہجومِ کیفیات

عشق وہ تشنہ کام ہے کہ جسے
زہر کا گھونٹ بھی ہے آبِ حیات

اے کمالِ سخن کے دیوانے !!
"ماورائے سخن بھی ہے اک بات

(۱۳۰)

دنیا کے ستم یاد، نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

میں شکوہ بلب تھا، مجھے یہ بھی نہ رہا یاد
شاید کہ مرے بھولنے والے نے کیا یاد

چھیڑا تھا جسے پہلے پہل تیری نظر نے
اب تک ہے وہ اک نغمۂ بے ساز و صدا یاد

جب کوئی حسیں ہوتا ہے سرگرمِ نوازش
اُس وقت وہ کچھ اور بھی آتے ہیں سوا یاد

کیا جانئے کیا ہو گیا اربابِ جنوں کو
مرنے کی ادا یاد، نہ جینے کی ادا یاد!

قطعہ

مدت ہوئی اک حادثۂ عشق کو لیکن!
اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد

ہاں ہاں تجھے کیا کام مری شدتِ غم سے
ہاں ہاں نہیں مجھ کو ترے دامن کی ہوا یاد

میں ترکِ رہ و رسمِ جنوں کر ہی چکا تھا!
کیوں آگئی ایسے میں تری لغزشِ پا یاد

کیا لطف کہ میں اپنا پتہ آپ بتاؤں
کیجے کوئی بھولی ہوئی خاص اپنی ادا یاد

(۱۳۱)

حسینِ دل بہ تبسم نگاہ پیدا کر!
پھر اک لطیف سی خاموش آہ پیدا کر

جسے ہوائے زمانہ کبھی بجھا نہ سکے!
قدم قدم پہ وہ اک شمعِ راہ پیدا کر

خلوصِ عشق و یقینِ حیات کے ہمراہ ۔۔۔ جنونِ شوق و فسونِ نگاہ پیدا کر

رگوں میں بھر کے فروغِ جمالِ الا اللہ ۔۔۔ نظر میں شعلگیِ لا الٰہ پیدا کر!

یہی زمیں ترا مسکن، یہی ترا مدفن!

اسی زمیں سے تو مہر و ماہ پیدا کر!

(۱۵)

شاہد و ساقی و بہار سے دور ۔۔۔ یعنی ہر کیفِ مستعار سے دور

تخت سے، تاج و تاجدار سے دور ۔۔۔ دور اِس دورِ فتنہ کار سے دور

ہے خزاں اپنی ہر خزاں سے جدا ۔۔۔ ہے بہار اپنی ہر بہار سے دور

ستم و جورِ آسماں سے الگ ۔۔۔ کرم و لطفِ غمگسار سے دور

خطرۂ موت اب، نہ فکرِ حیات ۔۔۔ قطعہ ۔۔۔ نشہ ہی نشہ ہے خمار سے دور

ہر تجلیٔ حسنِ ذات سے نزدیک ۔۔۔ سایۂ زلفِ تابدار سے دور!

اک حقیقت، خیال سے برتر ۔۔۔ اک جہاں، چشمِ روزگار سے دور

عشق ہے اُس مقام پر کہ جہاں

حسن ہے نقصِ اعتبار سے دور

(۱۶)

نغمہ ترا نفس نفس، جلوہ ترا نظر نظر ۔۔۔ اے مرے شاہدِ حیات اور ابھی قریب تر

بن گئی مستقل عذاب، جانِ خرابِ شوق پر ۔۔۔ خود مری کاوشِ نگاہ، خود مری فکرِ پردہ پر

تیرا خلوصِ دلبری، جہان نہ ڈال دے اگر
معرفتِ جمال میں، کام نہ آئے بال و پر
باہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستیٔ بشر
دیکھا ہے اک جہانِ خاص ہم نے کبھی کبھی جگر
شورشِ دردِ الاماں، گردشِ دہر الحذر
آ، مری جانِ انتظار، آ مرے آفتابِ شوق
عرضِ نیازِ عشق کا چاہیے اور کیا صلہ
لاکھ بیانِ دردِ دل، اک وہ تبسمِ حزیں!
مجھ سے کسی کو کام کیا، میرا کہیں قیام کیا
حسن سے جو نہ ہو سکا، کر گئی حسن کی اک آہ

نالہ کبھی میرا مضمحل، نغمہ کبھی میرا بے اثر
عقل کہیں پہ گر پڑی، چھوٹ گئی کہیں نظر
سلسلے جہاں کا جا رہے اپنے جہاں ہیں بیخبر
حسن سے بھی بلند تر، عشق سے بھی لطیف تر
بھٹکے ہوئے سے قافلے ہی کبھی ہوتی ہے گزر
تیرے بغیر زندگی، کب سے ہے شام بے سحر
میں نے کہا بہ چشمِ نم، اس نے سنا بہ چشمِ تر
لاکھ فسانہائے شوق، اک وہ نگاہِ مختصر
میرا سفر ہے در وطن، میرا وطن ہے در سفر
عشق نے توڑ دی کماں، عقل نے ڈال دی سپر

لاکھ ستارے ہر طرف، ظلمتِ شب جہاں جہاں
ایک طلوعِ آفتاب، دشت و چمن سحر سحر!

(۱۷)

محبت میں جگر گزرے ہیں ایسے بھی مقام اکثر
کہاں حسنِ تمامِ یار، کہاں تکلیفِ کرم کوشی
مری استادی بھی کیا استادی، مری ہستی بھی کیا ہستی
محبت نے اسے آغوش میں بھی پا لیا آخر

کہ خود لینا پڑا ہے اپنے دل سے انتقام اکثر
بدل دیتی ہے دنیا اک نگاہِ ناتمام اکثر
مری توبہ بھی بن جاتی ہے میخانہ بجام اکثر
تصور ہی میں رہتا تھا جو اک حسنِ خرام اکثر

جگر ایسا بھی دیکھا ہے کہ ہنگامِ سیہ مستی
نظر سے چھپ گئے ہیں ساقی و مینا و جام اکثر

تری رحمت خطا بخش و خطا پوش (۱۸) مری جرأت خطا کار و خطا کوش

ہوا جاتا ہے دلِ پیماں فراموش
کہاں ہم اے جنونِ خانہ بردوش

یہ کہہ کر ہو گیا دیوانہ خاموش
سلام آخری اے جنتِ ہوش

خبر لے اپنی اے غارت گرِ ہوش
ہوا جاتا ہے تو بھی خود فراموش!

نہ پہونچی آہِ گرم دامن تک کسی کے
بُرا احساں ترا اے سوزِ خاموش

یہ اعجازِ نگاہِ نازِ ساقی!
مری ہستی ہمہ مستی ہمہ ہوش

اسی کو ڈھونڈھ کے ہوتا ہے قیامت
سلامت با کرامت فتنۂ ہوش

ہمیں شکوے تھے کیا کیا ان سے لیکن
ہمیں ثابت ہوئے احساں فراموش

(۱۹)

(مسلسل)

وہ احساسِ شوقِ جواں اوّل اوّل
وہ اک عالمِ گلفشاں اوّل اوّل

وہ خود ساختہ اک طلسمِ تمنا!
وہ تالیف و تشنیفِ جاں اوّل اوّل

وہ معصوم سا اک جہانِ محبت
وہ مبہم سی اک داستاں اوّل اوّل

تخیل میں رنگینیاں رفتہ رفتہ!
تصور میں تصویرِ جاں اوّل اوّل

وہ اک کیفیت شادماں تازہ تازہ!
وہ اک عشرتِ عمر گراں اوّل اوّل

مجسم وہ تعبیرِ خوابِ محبت
وہ نظارۂ ناگہاں اوّل اوّل!

وہ اک پیکرِ حسنِ معصوم و سادہ
وہ اک جلوۂ بے اماں اوّل اوّل

تکلم میں بے ربط سا اک تسلسل!
خموشی میں حسنِ بیاں اوّل اوّل

چمن گر آہ انجام و آغازِ الفت
سکوت آخر آخر، فغاں اوّل اوّل!

(۲۰)

اللہ رے اس گلشنِ ایجاد کا عالم
جو صید کا عالم، وہی صیاد کا عالم!

اُف رنگِ رُخِ بانیٔ بیداد کا عالم
جیسے کسی مظلوم کی فریاد کا عالم!

پھر دل سے دھڑکنے کی بھی آتی نہیں آواز
کیا جانیے کیا ہے دلِ ناشاد کا عالم!

منصور تو مر کے سبک ہو گیا لیکن
جلاد سے پوچھے کوئی جلاد کا عالم

ہیں اور ترے ہجرِ مسلسل کی حکایت
پر آہ ہی تو عالم ہے تری یاد کا عالم

کیا جانیے کیا ہے مری معراجِ مقاصد
عالم تو ہے صرف اک مری افتاد کا عالم

اسبابِ چمن سے نہیں، پوچھو یہ چمن سے
کہتے ہیں کسے نکہتِ برباد کا عالم!

کیوں آتشِ گل ہی نہ میرے نشیمن کو جلائے
تنکوں میں ہے خود برقِ چمن زاد کا عالم

(۲۶)

حسن کا دورِ شباب کا عالم
سر سے پا تک شراب کا عالم

عرق آلودہ چہرۂ تاباں!
شبنم و آفتاب کا عالم

وہ مری عرضِ شوق بے تدبیر
کچھ حیا، کچھ عتاب کا عالم

اللہ اللہ وہ امتزاجِ لطیف
شوخیوں میں حجاب کا عالم

ہمہ نور و سرور کی دنیا
ہمہ حسن و شباب کا عالم
وہ لبِ جوئبار و موسمِ گل
وہ شبِ ماہتاب کا عالم
زانوئے شوق پر وہ پچھلے پہر
نرگسِ نیم خواب کا عالم!
دیر تک اختلاطِ راز و نیاز
یک بیک اجتناب کا عالم
لاکھ رنگیں بیانیوں پہ مری!
ایک سادہ جواب کا عالم
غم کی ہر موج موجِ طوفاں خیز
دل کا عالم حباب کا عالم
دلِ مطرب سمجھ سکے شاید
اک شکستہ رباب کا عالم

وہ سماں آج بھی ہے یاد جگرؔ!!
ہاں مگر جیسے خواب کا عالم

(۱۴۲)

جنوں کم، جستجو کم، تشنگی کم!
نظر آئے نہ کیوں دریا بھی شبنم
بحمد اللہ تو ہے جس کا ہمدم
کہاں اس قلب میں گنجائشِ غم
توجہ بے نہایت اور نظر کم
خوشا یہ التفاتِ حسنِ برہم
مری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ عالم
کہ ہر عالم ہے محو شبہائے مبہم
خطا کیونکر نہ ہوتی عافیت سوز
کہ جنت ہی نہ تھی معراجِ آدم
خوشا یہ نسبتِ حسن و محبت
جہاں بیٹھے نظر آئے ہمیں ہم
وہ اک حسنِ سراپا اللہ اللہ
کہ جس کی ہر ادا عالم ہی عالم
کہاں پہلوئے خورشیدِ جہانتاب
کہاں اک نازنیں دوشیزۂ شبنم

مسرت، زندگی کا دوسرا نام !
مسرت کی تمنّا، مستقل غم !

رکھتے ہیں خضر سے نہ غرض رہنمائے ہم
چلتے ہیں بچ کے دور ہر اک نقشِ پا سے ہم

مانوس ہو چلے ہیں جو دل کی صدا سے ہم
شاید کہ جی اٹھے تری آوازِ پا سے ہم !

یارب نگاہِ شوق کو دے اور وسعتیں !
گھبرا اٹھے جمالِ جہانِ آشنا سے ہم

مخصوص کس کے واسطے ہے رحمتِ تمام
پوچھیں گے ایک دن یہ کسی پارسا سے ہم

او مستِ نازِ حسن تجھے کچھ خبر بھی ہے
تجھ پر نثار ہوتے ہیں کس کس ادا سے ہم !

یہ کون چھا گیا ہے دل و دیدہ پر کہ آج !
اپنی نظر میں آپ ہیں نا آشنا سے ہم !

(۲۴)

یہ ذرے جن کو ہم خاکِ رہِ منزل سمجھتے ہیں
زبانِ حال رکھتے ہیں، زبانِ دل سمجھتے ہیں !

جسے سب لوگ حسنِ عشق کی منزل سمجھتے ہیں
بلند اس سے بھی ہم اپنا مقامِ دل سمجھتے ہیں

حقیقت میں عدوئے دوریٔ منزل سمجھتے ہیں
انہیں کو ہم سلوکِ عشق میں کامل سمجھتے ہیں

ہمیں وہ کیوں جفائے خاص کے قابل سمجھتے ہیں
یہ رازِ دل ہے، اس کو محرمانِ دل سمجھتے ہیں

اسی اک جرم پر اغیار میں برپا قیامت ہے
کہ ہم بیدار ہیں اور اپنا مستقبل سمجھتے ہیں

نگاہوں میں کچھ ایسے بس گئے ہیں حسن کے جلوے
کوئی محفل ہو، لیکن ہم تری محفل سمجھتے ہیں

کوئی مانے نہ مانے اس کو، لیکن یہ حقیقت ہے
ہم اپنی زندگی میں غیب کو شامل سمجھتے ہیں

یہ بزمِ ناتواں موجیں خودی کا راز کیا جانیں
قدم لیتے ہیں طوفاں، عظمتِ ساحل سمجھتے ہیں

حکومت کے مظالم جب سے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں
جگرؔ ہم ہمبئی کو کوچۂ قاتل سمجھتے ہیں!

(۳۵)

یہ تو نہیں کہ عرضِ غم درخورِ اعتنا نہیں!
حسن کو لیکن اے جگرؔ فرصتِ التجا نہیں

نالۂ جاں فروز بالقصہ غم فزا نہیں!
اے دلِ فتنہ آزما تو ہے اگر تو کیا نہیں

پیشِ نظر ہے حسنِ دوست حسن کے ماسوا نہیں
عشق میں مبتلا ہوں میں، شرک میں مبتلا نہیں

غیر نے کچھ اگر کہا رنج کرے تری بلا
تو ہی جو باوفا نہیں کوئی بھی باوفا نہیں

بیٹھے ہیں بزمِ دوست میں گم شدگانِ دوست
عشق ہے اور طلب نہیں، نغمہ ہے اور صدا نہیں

پینے سے کام ہے ہمیں میکدۂ حیات میں
ظرف جدا جدا سہی اصل جدا جدا نہیں!

پھول وہی، چمن وہی، فرقِ نظر نظر کا ہے
عہدِ بہار میں تھا کیا دورِ خزاں میں کیا نہیں

پھر یہ جدائیاں ہیں کیوں پھر یہ دہائیاں ہیں کیا
عشق سے تو الگ نہیں حسن سے میں جدا نہیں

اے مرے مقصدِ حیات، گوشۂ چشم التفات
ایک نگہ تو ہے بہت، نیم نگہ بھی کیا نہیں

اف یہ کرشمہ کاریاں ہائے یہ ربطِ حسن و عشق
مجھ پہ کوئی نظر نہیں، میری کوئی خطا نہیں

خشک لب اور آنکھ تر، واہ رے حضرتِ جگر
جیسے کہ دور کا بھی اب عشق سے واسطہ نہیں

(۳۶)

مقاماتِ اربابِ جاں اور بھی ہیں!
مکاں اور بھی، لامکاں اور بھی ہیں

مکمل نہیں ہے جنونِ تجسس!
مسلسل جہاں در جہاں اور بھی ہیں

یہیں تک نہیں عشق کی سیرگاہیں!
مہ و انجم و کہکشاں اور بھی ہیں!

محبت کی منزل یہی شاید نہیں ہے!
کہ جب دیکھیے امتحاں اور بھی ہیں

محبت نہیں صرف مقصودِ انساں
محبت میں کارِ جہاں اور بھی ہیں

قفس توڑ کر مطمئن ہو نہ بلبل!
قفس صورتِ آشیاں اور بھی ہیں

بہت دل کے حالات کہنے کے قابل
ورائے نگاہ و زباں اور بھی ہیں!

نہیں منحصر تجھ سے و میکدہ تک
مری تشنہ سامانیاں اور بھی ہیں!

خوشا درسِ غیرت، زہے عشق تنہا
وہاں میں نہیں ہوں، جہاں اور بھی ہیں

صبا خاکِ دل سے بچا اپنا دامن
ابھی اس میں چنگاریاں اور بھی ہیں!

انہیں جب سے ہے اعتمادِ محبت
وہ مجھ سے جگرؔ بدگماں اور بھی ہیں

(۲۷)

دل میں کسی کے راہ کیے جا رہا ہوں میں
کتنا حسین گناہ کیے جا رہا ہوں میں

دنیائے دل تباہ کیے جا رہا ہوں میں
صرفِ نگاہ و آہ کیے جا رہا ہوں میں

فردِ عمل سیاہ کیے جا رہا ہوں میں
رحمت کو بے پناہ کیے جا رہا ہوں میں

ایسی بھی اک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں
ذروں کو مہر و ماہ کیے جا رہا ہوں میں

مجھ سے لگے ہیں عشق کی عظمت کو چار چاند
خود حسن کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں!

دفتر ہے ایک معنیٔ بے لفظ و صوت کا
سادہ سی جو نگاہ کیے جا رہا ہوں میں

آگے قدم بڑھائیں جنہیں سوجھتا نہیں
روشن چراغِ راہ کیے جا رہا ہوں میں!

معصومیٔ جمال کو بھی جن پہ رشک ہے
ایسے بھی کچھ گناہ کیے جا رہا ہوں میں!

تنقیدِ حسن مصلحتِ خاصِ عشق ہے
یہ جرم گاہ گاہ کیے جا رہا ہوں میں!

اٹھتی نہیں ہے آنکھ مگر اس کے روبرو
نادیدہ اک نگاہ کیے جا رہا ہوں میں

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں

یوں زندگی گزار رہا ہوں ترے بغیر
جیسے کوئی گناہ کیے جا رہا ہوں میں

مجھ سے ادا ہوا ہے جگرؔ جستجو کا حق
ہر ذرے کو گواہ کیے جا رہا ہوں میں

(۲۸)

بے کیف ہے دل اور جیے جا رہا ہوں میں
خالی ہے شیشہ اور پیے جا رہا ہوں میں

پیہم جو آہ کیے جا رہا ہوں میں!
دولت ہے غم، زکوٰۃ دیے جا رہا ہوں میں

مجبوریٔ کمالِ محبت تو دیکھنا!
جینا نہیں قبول جیے جا رہا ہوں میں

وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار کیجیے
مجبوریاں ہیں ساتھ دیے جا رہا ہوں میں

رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
کہنے کی بات ہے کہ جیے جا رہا ہوں میں

پہلے شراب زیست تھی، اب زیست ہے شراب
کوئی پلا رہا ہے، پیے جا رہا ہوں میں

(۲۹)

جو حسرتوں میں خلش نہیں، جو اذیتوں میں مزا نہیں
ترے حسن کا بھی قصور ہے مرے عشق ہی کی خطا نہیں

مرے جذبِ عشق پہ رحمتیں، مجھے بے بسی کا گلا نہیں
ترے جبرِ حسن کی خیر ہو، مرے اختیار میں کیا نہیں!

مرا ذوق بھی شوق بھی ہے بلند سطحِ عوام سے
ترا ہجر بھی ترا وصل بھی، مرے دردِ دل کی دوا نہیں

جسے میں بھی خود نہ بتا سکا، مرا رازِ دل، ہے وہ رازِ دل
جسے غیر دوست سمجھ سکے، مرے ساز میں وہ صدا نہیں

مرا نالہ ہو تو شرر بار ہو گیا، مرا نغمہ روح فزا ہو کیوں
کہ چمن میں پھول تو ہیں وہی، مگر ان میں بوئے وفا نہیں

یہ طریقِ جہد ہے خوب تر، مگر آہ واعظِ بے خبر!
اُسے سازگار ہو زہد کیا، جسے معصیت بھی روا نہیں

مرے درد میں یہ خلش کہاں، مرے سوز میں یہ تپش کہاں
کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہیں!

وہ ہزار دشمنِ جاں سہی، مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے!
جسے خاکِ پا تری چھو گئی، وہ برا بھی ہو تو برا نہیں

وہی رابطۂ عشق و جمال ہے ترا اور مجھ سے جو خیال ہے
یہ سمجھ سمجھی میں ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنسِ وفا نہیں

وہی میں ہوں اور وہی انجمن، مگر آج ہے مرا حال کیا
یہ گمان ہے کہ حقیقتاً کوئی اور تیرے سوا نہیں

مرے شعر میں ہیں نزاکتیں، مری نظم میں ہیں لطافتیں
مری فکر میں نہیں اے جگر، ادبِ کثیف کی جا نہیں

(۳۰)

اٹھ اٹھ کے پیار سے بام نظر دیکھتا ہوں میں
کانٹوں کی گود میں گلِ تر دیکھتا ہوں میں

سرگرمیِ فکر و نظر دیکھتا ہوں میں!
منزل رواں دواں ہے جدھر دیکھتا ہوں میں

تاثیرِ التفاتِ نظر دیکھتا ہوں میں!
کونین اپنے زیرِ اثر دیکھتا ہوں میں

خود حسن میں ہے آرزوئے شکستِ غرور ہے
ایسی بھی آج ایک نظر دیکھتا ہوں میں

رعبِ جمال و جذبِ محبت تو دیکھنا
اٹھتی نہیں نگاہ مگر دیکھتا ہوں میں

تنہا نہیں ہے عشق ہی رسوائے جستجو
خود حسن کو بھی گرمِ سفر دیکھتا ہوں میں

اللہ رے کمالِ خودی کی یہ وسعتیں
میرا ہی سامنا ہے جدھر دیکھتا ہوں میں

اے عشق! شاد باش کہ آج ان کو بار بار
مصروفِ احتیاطِ نظر دیکھتا ہوں میں

محوِ خرامِ ناز ہیں صحنِ چمن میں وہ!
گستاخیٔ نسیمِ سحر دیکھتا ہوں میں

میرا مقامِ عشق مقامِ فنا نہیں
دنیائے زندگی ہے جدھر دیکھتا ہوں میں

شاید انہیں کبھی اس کی خبر ہو نہ اے جگر
در پردہ وہ نظر جو نظر دیکھتا ہوں میں

(۳۱)

جز عشقِ معتبر یہ کسی کو خبر نہیں!
ایسا بھی حسن ہے جو بقیدِ نظر نہیں!

سنجیدگی ہزار ہو، غم سے مفر نہیں
دریا اسی میں بند ہے جو آنکھ تر نہیں!

۲۲

دنیا کو دیکھ دیدۂ روشن نگاہ سے
فردوس میں زندگی ہے وبالِ نظر نہیں !

جو ہر نفس کے ساتھ نہ لائے پیامِ دوست
ہرگز وہ میری شام، وہ میری سحر نہیں !

یہ شرمگیں نگاہ، یہ انکارِ مضمحل !
پھر کیا ہے، اعترافِ محبت اگر نہیں!

وہ کونسا ہے جلوہ، مکرر کہیں جسے !
وہ کون سی نظر ہے جو پہلی نظر نہیں !

طولِ غمِ حیات سے گھبرا نہ اے جگر
ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہیں !

بھوپال اگرچہ خلد بداماں ہے اے جگر!
دل کیا شگفتہ ہو کہ نسیمِ سحر نہیں!

(۲۳)

محبت میں کیا کیا مقام آ رہے ہیں !
کہ منزل پہ ہیں اور چلے جا رہے ہیں!

یہ کہہ کہہ کے ہم دل کو بہلا رہے ہیں
وہ اب چل چکے ہیں، وہ اب جا رہے ہیں

وہ از خودی نادم ہوئے جا رہے ہیں
خدا جانے کیا کیا خیال آ رہے ہیں!

ہمارے ہی دل سے مزے ان کے پوچھو
وہ دھوکے جو دانستہ ہم کھا رہے ہیں

جفا کرنے والوں کو کیا ہو گیا ہے
وفا کر کے بھی ہم تو شرما رہے ہیں !

وہ عالم ہے اب یار و اغیار کیسے
ہمیں اپنے دشمن ہوئے جا رہے ہیں

مزاجِ گرامی کی ہو خیر یارب!
کئی دن سے اکثر وہ یاد آ رہے ہیں !

(۳۳)

کہاں لالہ و گل، کیا بہار توبہ شکن
کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراحتوں کے چمن

یہ کس غضب کی محبت نے ڈال دی الجھن
نہ ضبطِ شوق کا یارا، نہ تابِ عرضِ سخن!

خلوصِ شوق، نہ جوشِ عمل، نہ دردِ وطن
یہ زندگی ہے خدایا کہ زندگی کا کفن!

جمالِ اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے دب نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

وطن تھا جب نہیں اپنا تو پھر کہاں کا وطن
چمن اُجاڑ رہا ہوں مگر برائے چمن!

غضب ہے، قہر ہے انسان کی یہ بوالعجبی
خود اپنا دوست بہت کم زیادہ تر دشمن

یہ مرحلہ بھی مری حیرتوں نے دیکھ لیا!
بہار میرے لیے اور میں تہی دامن!

ز شعورِ محبت ہے کس لیے ہمہ گوش
اگر نہیں مری جانب کسی کا روئے سخن!

اٹھا ہے دل کو مقامِ سپردگی سے گریز
اک اور بھی ہے گیسوئے عنبریں میں شکن

یہ ہوش باش کہ وہ انقلاب آ پہنچا!
میں سن رہا ہوں دلِ سنگ و خشت کی دھڑکن

خرد حقیقتِ چالاک، وحشت کہ سست خام
جنوں صداقتِ بیباک و مصلحت دشمن

حضورِ دوست یہی جرمِ زندگی نکلا
جنابِ شیخ کو تھا زعمِ پاکیِ دامن

جنوں کی بے سروسامانیوں پہ رنج نہ کر
اگر جنوں ہے سلامت ہزار ہا دامن

جہانِ حسن کو بھی جس نے کر دیا بیدار
خوشا وہ سینۂ اہلِ فراق کی دھڑکن

ہر ایک لحظہ ہے عشقِ کارزارِ حیات
سکوں تلاش نہ کر اے دلِ سکوں دشمن

وہی ہے روحِ محبت وہی ہے جسمِ وفا
بدلتا رہتا ہے لیکن مذاقِ پیراہن

مقامِ عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ جگر
کمالِ آگہی و سخت آگہی دشمن!

(۴۳)

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

یہ تو نے کہا کیا اے ناداں، فیاضیٔ قدرت عام نہیں
تو فکر و نظر تو پیدا کر، کیا چیز ہے جو انعام نہیں

یا رب یہ مقامِ عشق ہے کیا؟ گو دیدہ و دل ناکام نہیں
تسکین ہے اور تسکین نہیں، آرام ہے اور آرام نہیں!

کیوں مست شرابِ عیش و طرب تکلیفِ توجہ فرمائیں
آوازِ شکستِ دل ہی تو ہے، آوازِ شکستِ جام نہیں

آنا ہے جو بزمِ جاناں میں، پندارِ خودی کو توڑ کے آ
اے ہوش و خرد کے دیوانے یاں ہوش و خرد کا نام نہیں

زاہد نے کچھ اس انداز سے پی، ساقی کی نگاہیں پڑنے لگیں
مے کش یہی اب تک سمجھے تھے شائستہ دور و جام نہیں

عشق، اور گوارا خود کر لے بے شرط شکستِ فاش اپنی
دل کی بھی کچھ ان کے سازش ہے تنہا یہ نظر کا کام نہیں

سب جس کو اسیری کہتے ہیں، وہ تو ہے امیری ہی لیکن
وہ کون سی آزادی ہے یہاں، جو آپ خود اپنا دام نہیں

(۳۵)

اب لفظِ بیاں سب ختم ہوئے، اب دیدہ و دل کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا، اب عشق کا کچھ پیغام نہیں
اللہ کے علم و حکمت کے محدود دراگر اکرام نہیں ! !
ہر سانس کے آنے جانے میں کیا کوئی نیا پیغام نہیں
ہر خلدِ تمنا پیشِ نظر، ہر جنتِ نظارہ حاصل
پھر بھی ہے وہ کیا شے سینے میں ممکن ہی جسے آرام نہیں
یہ حسن ہے کیا! یہ عشق ہے کیا! کس کو ہے خبر اس کی لیکن
بے جام ظہورِ بادہ نہیں، بے بادہ فروغِ جام نہیں
زاہد ترے ان سجدوں کے عوض سب کچھ ہو مبارک تجھ کو مگر
وہ سجدہ یہاں ہے کفرِ جبیں، جو سجدہ کہ خود انعام نہیں
دنیا یہ دکھی ہے پھر بھی مگر، تھک کر ہی سہی سو جاتی ہے
تیرے ہی مقدر میں اے دل، کیوں چین نہیں آرام نہیں
اک شاہدِ معنی و صورت کے ملنے کی تمنا سب کو ہے
ہم اس کے نہ ملنے پر ہیں فدا، لیکن یہ مذاقِ عام نہیں
پینے کو سب پیتے ہیں جگر، میخانۂ فطرت میں لیکن
محرومِ نگاہِ ساقی ہے، وہ رند جو دردآشام نہیں

(۳۶)

جب تلک انساں پاک طینت ہی نہیں
علم و حکمت، علم و حکمت ہی نہیں!

وہ محبت، وہ عداوت ہی نہیں
زندگی میں اب صداقت ہی نہیں!

سینۂ آہن بھی تھا جس سے گداز
اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں!

آدمی کے پاس سب کچھ ہے مگر
ایک تنہا آدمیت ہی نہیں!

بھینچ کے رہ جائے، وہ غنچہ ہی کہاں
گھٹ کے رہ جائے وہ نکہت ہی نہیں

حسن کو سمجھا ہے کیا، اے بوالہوس
حسنِ معنی بھی ہے، صورت ہی نہیں

صرف نقالی ہے مغرب کی جگہ
شعر میں اب مشرقیت ہی نہیں!

(۳۷)

بے ربطِ حسن و عشق یہ کیفیت و اثر کہاں
تھی زندگی عزیز، مگر اس قدر کہاں

تیرے بغیر رونقِ دیوار و در کہاں
شام و سحر کا نام ہے شام و سحر کہاں

کیا جانیے خیال کہاں ہے نظر کہاں
تیری خبر کے بعد پھر اپنی خبر کہاں!

ہر جلوۂ جمال ہے برقِ گریز پا!
اے دل یہاں تجلیٔ بارِ دگر کہاں

مانا کہ محتسب بھی بڑا باشعور ہے!
لیکن اسے نزاکتِ غم کی خبر کہاں!

مل کے ہجومِ جلوہ میں خود جلوہ بن گئی
پہنچا ہے کس جگہ سے مقامِ نظر کہاں

آج اس کی میہمان ہے کل اس کا میہماں
اس خانماں خراب محبت کا گھر کہاں

کہنے کو اہلِ علم کسی کو کمی نہیں!
لیکن خود اپنی فکر، خود اپنی نظر کہاں!

۳۷

ترکِ تعلقات کو مدت گزر چکی
ظالم ترے خیال سے پھر بھی مفر کہاں

ہر اعتبارِ دوست پہ صدقے ہزار جاں
لیکن وہ کیفِ وعدۂ نامعتبر کہاں

ہر گام پر ہے منزلِ نو جستجو طلب
جاتا ملے ہے ہم اٹھائے ہوئے بے خبر کہاں

صد عشرتِ نگاہِ مسلسل خوشا نصیب
لیکن لطافتِ نگہِ مختصر کہاں!

ہر چند کائنات دو عالم میں اے جگر
انساں ہی ایک چیز ہے انساں مگر کہاں

(۳۸)

عشق کی بربادیوں کو رائیگاں سمجھا تھا میں
بستیاں نکلیں جنہیں ویرانیاں سمجھا تھا میں

بے حجابی کو حجابِ درمیاں سمجھا تھا میں
سامنے کی بات تھی لیکن کہاں سمجھا تھا میں

ہر نگہ کو طبعِ نازک پر گراں سمجھا تھا میں
وہ بھی کیا دن تھے جب ان کو بدگماں سمجھا تھا میں

شاد باش و زندہ باش اے عشقِ خوش سودائے من
تجھ کو پہلے اپنی عظمت بھی کہاں سمجھا تھا میں

کیا خبر تھی خود وہ نکلیں گے برابر کے شریک
دل کی دھڑکن کو اپنی داستاں سمجھا تھا میں!

یاد آیا ہے کہ جب ذوقِ طلب کامل نہ تھا
ہر غبارِ کارواں کو کارواں سمجھا تھا میں!

آدمی کو آدمی سے بعد، وہ بھی کس قدر
زندگی کو زندگی کا رازداں سمجھا تھا میں!

کیا بتاؤں کس قدر زنجیرِ پا ثابت ہوئے
چند تنکے جن کو اپنا آشیاں سمجھا تھا میں!

زندگی نکلی مسلسل امتحان در امتحان
زندگی کو داستاں ہی داستاں سمجھا تھا میں

اس گھڑی کی شرم رکھ لے اے نگاہِ نازِ دوست
ہر نفس کو جب حیاتِ جاوداں سمجھا تھا میں

میری ہی رودادِ ہستی تھی مرے ہی سامنے — آج تک جس کو حدیثِ دیگراں سمجھا تھا میں

پردہ اٹھا تو وہی صورت نظر آئی جسکو

مدتوں روح القدس کو ہمزباں سمجھا تھا میں

(۳۹)

کبھی اندازِ حسن پیارے ہیں — ہم نگر سادگی کے مارے ہیں

اُن کی راتوں کا انتقام نہ پوچھ — جس نے ہمنفس کی یوں گزارے ہیں

اے سہاروں کی زندگی والو! — کتنے انسان بے سہارے ہیں!

نالۂ دل سے تجھ کو کیا نسبت — نا مکمل سے استعارے ہیں

ہم تو اب ڈوب کر ہی ابھریں گے — وہ رہیں شاد جو کنارے ہیں

شبِ فرقت کبھی جگا اٹھی! — اشکِ غم ہیں کہ ماہ پارے ہیں

آتشِ عشق وہ جہنم ہے — جس میں فردوس کے نظارے ہیں

وہ ہمیں ہیں کہ جن کے ہاتھوں نے — گیسوئے زندگی سنوارے ہیں

حسن کی بے نیازیوں پہ نہ جا

بے اشارے بھی کچھ اشارے ہیں

(۴)

یہ صحن و روش، یہ لالہ و گل ہونے دو جو ویراں ہوتے ہیں
تخریب جنوں کے پردے میں تعمیر کے ساماں ہوتے ہیں

منڈلاتے ہوئے جب ہر جانب طوفاں ہی طوفاں ہوتے ہیں
دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دست گریباں ہوتے ہیں

اس جہد و طلب کی دنیا میں کیا کار نمایاں ہوتے ہیں
ہم صرف شکایت کرتے ہیں وہ صرف پشیماں ہوتے ہیں

بیدار عزائم ہوتے ہیں، اسرار نمایاں ہوتے ہیں
جتنے وہ ستم فرماتے ہیں، سب عشق پہ احساں ہوتے ہیں

رندوں نے جو چھیڑا ذکر تو ساقی نے کہا کس طنز سے آج
اوروں کی وہ عظمت کیا جانیں، کم ظرف جو انساں ہوتے ہیں

تو خوش ہے کہ تجھ کو حاصل ہیں، میں خوش کہ مرے حصے میں نہیں
وہ کام جو آساں ہوتے ہیں، وہ جلوے جو ارزاں ہوتے ہیں!

آسودۂ ساحل تو ہے مگر، شاید تجھے یہ معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

یہ خون جو ہے مظلوموں کا، ضائع تو نہ جائے گا لیکن
کتنے وہ مبارک قطرے ہیں جو صرف بہاراں ہوتے ہیں!

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

(الم)

غم معتبر نہیں ہے، مکمل خوشی نہیں
کیا وقت ہے کہ لطف محبت میں بھی نہیں

یہ تو نہیں کہ مجھ کو سرِ مے کشی نہیں!
لیکن ابھی نہیں مرے ساقی، ابھی نہیں

تسخیرِ مہر و ماہ مبارک تجھے، مگر
دل میں نہیں اگر، تو کہیں روشنی نہیں!

واعظ اب اور کیا کہوں، لیکن خطا معاف
جو تیرے سامنے ہے حقیقت وہی نہیں!

کیا جانے یہ کون سا عالم ہے اے جگر
دل مضطرب ہے اور کوئی بات بھی نہیں

(۲الم)

کوئی یہ کہہ دے گلشن گلشن
لاکھ بلائیں، ایک نشیمن!

کامل رہبر، قاتل رہزن
دل سا دوست نہ دل سا دشمن

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
لیکن اپنا اپنا دامن!

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کارِ شیشہ و آہن!

خیر مزاجِ حسن کی یا رب!
تیز بہت ہے دل کی دھڑکن

آ، کہ نہ جانے تجھ بن کب سے
روح ہے لاشہ، جسم ہے مدفن

آج بجا نے راز یہ کیا ہے — ہجر کی رات اور اتنی روشن
عمریں بیتیں، صدیاں گذریں — ہے وہی اب تک عقل کا گلچین
تجھ سا حسیں اور خونِ محبت — نکھرا ہے شاید سرخیٔ دامن!
برقِ حوادث، اللہ اللہ — جھوم رہا ہے شاخِ نشیمن
تو نے سلجھا کر گیسوئے جاناں — اور بڑھا دی شوق کی الجھن
رحمت ہوگی طالبِ عصیاں — رشک کرے گی پاکیٔ دامن!
دل کو مجسم آئینہ ساماں! — اور وہ ظالم آئینہ دشمن!
بیٹھے ہم ہر بزم میں لیکن! — جھاڑ کے اٹھے اپنا دامن

٭

قطعہ

ہستیٔ شاعر اللہ اللہ — حسن کی منزل عشق کا مسکن
رنگیں فطرت، سادہ طبیعت — فرش نشیں اور عرش نشیمن

٭

کام ادھورا اور آزادی! — نام بڑے اور تھوڑے درشن
شمع ہے لیکن دھندلی دھندلی — سایہ ہے لیکن روشن روشن

٭

کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر — کون چھڑائے اپنا دامن
چلتی پھرتی چھاؤں ہے پیارے
کس کا صحرا، کیسا گلشن!

(۴۳)

ہم کو مٹا سکے، یہ زمانے میں دم نہیں — ہم سے زمانہ خود ہے، زمانے سے ہم نہیں
بے فائدہ الم نہیں، بیکار غم نہیں! — توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں
میری زباں پہ شکوۂ اہلِ ستم نہیں! — مجھ کو جگا دیا - یہی احسان کم نہیں
یارب ہجومِ درد کو دے اور وسعتیں — دامن تو کیا ابھی مری آنکھیں بھی نم نہیں
شکوہ تو ایک چھیڑ ہے، لیکن حقیقتاً — تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں
اب عشقِ اس مقام پہ ہے جستجو نورد — سایہ نہیں جہاں، کوئی نقشِ قدم نہیں!
ملتا ہے کیوں مزہ ستمِ روزگار میں! — تیرا کرم بھی خود شریکِ ستم نہیں!
زاہد کچھ اور ہو نہ ہو مے خانے میں مگر — کیا کم یہ ہے کہ فتنۂ دیر و حرم نہیں

مرگِ جگر پہ کیوں تری آنکھیں ہیں اشکبار
اک سانحہ سہی، مگر اتنا اہم نہیں!

(۴۴)

عشقِ لامحدود جب تک رہنما ہوتا نہیں — زندگی سے زندگی کا حق ادا ہوتا نہیں
بیکراں ہوتا نہیں، بے انتہا ہوتا نہیں — قطرہ جبتک بڑھ کے قلزم آشنا ہوتا نہیں
اس سے بڑھکر دوست کوئی دوسرا ہوتا نہیں — سب جدا ہو جائیں لیکن غم جدا ہوتا نہیں
زندگی اک حادثہ ہے، اور کیسا حادثہ — موت سے بھی ختم جس کا سلسلہ ہوتا نہیں
کون یہ ناصح کو سمجھائے بطرزِ دلنشیں — عشقِ صادق ہو تو غم بھی بے مزا ہوتا نہیں

دور سے معمور ہوتی جا رہی ہے کائنات
اک دلِ انساں مگر درد آشنا ہوتا نہیں

میری عرضِ غم پہ وہ کہنا کسی کا ہائے ہائے
شکوۂ غم، شیوۂ اہلِ وفا ہوتا نہیں

اس مقامِ قرب تک اب عشق پہنچا ہے جہاں
دیدہ و دل کا بھی اکثر واسطہ ہوتا نہیں

ہر قدم کے ساتھ منزل ہے لیکن اس کا کیا علاج
عشق ہی کم بخت منزل آشنا ہوتا نہیں

اللہ اللہ یہ کمالِ ارتباطِ حسن و عشق
فاصلے ہوں لاکھ دل سے دل جدا ہوتا نہیں

کیا قیامت ہے کہ اس دورِ ترقی میں جگر
آدمی سے آدمی کا حق ادا ہوتا نہیں!

(۴۵)

جو طوفانوں میں پلتے جا رہے ہیں
وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں

نکھرتا آ رہا ہے رنگِ گلشن
خس و خاشاک جلتے جا رہے ہیں

وہیں میں خاک اڑتی دیکھتا ہوں
جہاں چشمے ابلتے جا رہے ہیں

چراغِ دیر و کعبہ، اللہ اللہ
ہوا کے زد پہ جلتے جا رہے ہیں

شباب و حسن میں بحث آ پڑی ہے
نئے پہلو نکلتے جا رہے ہیں!

(۴۶)

عمر بھر روح کی اور جسم کی یک جائی ہو
کیا قیامت ہے کہ پھر بھی نہ شناسائی ہو

کوئی اتنا بھی نہ مصروفِ خود آرائی ہو
کہ تماشا رہے باقی، نہ تماشائی ہو

انجمن ہو، نہ سرِ انجمن آرائی ہو!
میں ہوں اور صرف مرا عالمِ تنہائی ہو

مستیِ حسن غمِ عشق پہ یوں چھائی ہو — دل سے جو موجِ غم اٹھے تری انگڑائی ہو
اے غمِ دوست ترا صبر مجھی پر ٹوٹے — بے ترے نیند کبھی آنکھوں میں گر آئی ہو
وہ محبت ہی نہیں ہے، وہ قیامت ہی نہیں — جو ترے پائے نگاریں کی نہ ٹھکرائی ہو

ہو گئی دل کو تری یاد سے اک نسبتِ خاص
اب تو شاید ہی میسر کبھی تنہائی ہو

(۷۴)

داغِ دل کیوں کوئی مجروحِ پذیرائی ہو! — گلِ ویرانہ بنے، لالۂ صحرائی ہو
دل الٹ جائے کہ دم پہ مرے بن آئی ہو — کیوں تری یاد شریکِ غمِ تنہائی ہو
پھر وہی رت، وہی ہم، وہی تنہائی ہو — پھر مری اک چوٹ محبت کی ابھر آئی ہو
نالہ یوں کھینچے یہ اعجازِ شکیبائی ہو — جیسے بسمل خستہ ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہو!
حسن و بیچارگیِ حسن! الٰہی توبہ! — میں تو مر جاؤں جو یوں عشق کی بن آئی ہو
عرصۂ حشر کہاں، جلوہ گہِ دوست کہاں — وہ کبھی میرا ہی نہ اک گوشۂ تنہائی ہو
بھول جاؤں کہ مرا فرض محبت کیا ہے — اس طرح تو نہ مری حوصلہ افزائی ہو
گر کے نظروں سے تری اس کا ٹھکانا ہی کہاں — جس نے ظالم ترے دل میں کبھی جگہ پائی ہو
ہائے اس حصۂ گلشن کا مقدر ہمدم! — نہ خزاں آئی ہو جس میں نہ بہار آئی ہو!

یوں بھی ہو کاش غمِ عشق کی تاثیر جگر
میں تمنا نہ کروں اور وہ تمنائی ہو!

(۴۸)

ممکن نہیں کہ جذبۂ دل کارگر نہ ہو
یہ اور بات ہے تمہیں اب تک خبر نہ ہو

توہینِ عشق، دیکھ نہ ہو، اے جگر نہ ہو
ہو جائے دل کا خون مگر آنکھ تر نہ ہو

دریائے حسن و کارِ غمِ عشق ناصحا
یہ کیا کہا ترا بھی دامن کبھی تر نہ ہو!

لازم خودی کا ہوش بھی ہے بیخودی کے ساتھ
کس کی اسے خبر جسے اپنی خبر نہ ہو!

وہ بدگمانیاں ہیں نہ وہ سرگرانیاں
اتنی بھی دل کی دل کو الٰہی خبر نہ ہو!

احسانِ عشق اصل میں توہینِ حسن ہے
حاضر ہیں دین و دل بھی ضرورت اگر نہ ہو

یا طالبِ دعا تھا میں ایک ایک سے جگر
یا خود یہ چاہتا ہوں، دعا میں اثر نہ ہو

(۴۹)

پھول بسر کرتے ہیں خاروں کے ساتھ
کھیلتے ہیں ہم بھی خنجروں کے ساتھ

کم نہ ہوئیں ان سے بھی کچھ ظلمتیں!
ربط بڑھایا تھا ستاروں کے ساتھ

عشق کہیں تجھ سے نہ لے انتقام
چھیڑ نہ کر عشق کے ماروں کے ساتھ

ایک نظر، ایک دلِ ناتواں!!
معرکہ درپیش ہزاروں کے ساتھ

عشق میں کیا ہے یہی معراجِ دید
کم ہیں نگاہیں بھی نظاروں کے ساتھ

رقص میں ہے کب سے دلِ کائنات
دیدہ و نادیدہ اشاروں کے ساتھ

لوٹ بہاریں نہ چمن کی بہت
تو بھی نہ لٹ جائے بہاروں کے ساتھ

صبح ہے دور اور ابھی سے جگر — ڈوب چلی نبض ستاروں کے ساتھ

جان فدا اس پہ کہ جس نے جگر
زیست بسر کی نہ سہاروں کے ساتھ

٥٠

ابھی نہ روک نگاہوں کو پیرِ میخانہ — کہ زندگی ہے ابھی زندگی سے بیگانہ

فضائے کعبہ ہو یا سرزمینِ بت خانہ — ترے سوا نہ حقیقت، نہ کوئی افسانہ

سحر ہوئی وہ بڑھے ہاتھ سوئے پیمانہ — بنامِ شاہدِ نوخیز و پیرِ میخانہ

حدیثِ حسن، نہ شغلِ شراب و پیمانہ — یہ کس نے چھیڑ دیا زندگی کا افسانہ

مذاقِ عشق کی کفرلتی: اے معاذ اللہ — ہم اہلِ ہوش نہ سمجھیں، عندلیب دیوانہ

ستم کچھ اٹھائے کسی نے تو اس توجہ سے — کہ بن گیا دلِ صد پارہ آئینہ خانہ

جنونِ عشق کی کافر ادائیاں توبہ — نگاہِ زہد بھی پڑنے لگی حریصانہ

زمیں وہیں سے اٹھے ہیں ہزار ہا فتنے — جہاں جہاں سے میں گزرا ہوں بے نیازانہ

خود اپنی آگ میں جلتی ہے شمع جلنے دو — پرائی آگ میں جلنا ہے کارِ مردانہ

وہ ایک شعرِ مجسم وہ ایک پیکرِ حسن — وہ سر بارغ یہ اندازِ بے نیازانہ!

نظر نظر تبسم، اگرچہ بے پروا! — نفس نفس متوجہ، اگرچہ بیگانہ

فدائے نیم نقابی تمام نکہت و رنگ
نثارِ نیم نگاہی، تمام میخانہ

(۵۱۱)

مسلسل

سراپا حقیقت، مجسم فسانہ!
محبت کا عالم، جنوں کا زمانہ!

ہمہ شعر و نغمہ، ہمہ رنگ و نکہت
وہ جانِ تمنا، وہ حسنِ یگانہ

نہ پہلے پہل دونوں جانب یہ عالم
ادا بے تعلق، نظر مجرمانہ!

نظر اٹھتے اٹھتے، نظر ملتے ملتے
دھڑکتے دلوں کا وہ نازک فسانہ

حیا میں وہ معصوم سی اک شرارت
شرارت میں موہوم سا اک فسانہ

وہ ہر چھیڑ میں اک نئی زندگانی!
وہ ہر بات میں اک نیا شاخسانہ

طبیعت شگفتہ، مگر کھوئی کھوئی
ہر انداز دلکش، مگر والہانہ

وہ اخفائے رازِ محبت کی خاطر
کبھی کچھ بہانہ، کبھی کچھ بہانہ

وہ اشک و تبسم کا پرکیف موسم
وہ شعر و ترنم کا رنگین زمانہ

کبھی رو دیے دیباپہ غنچے کی لہریں
کہ جیسے کوئی بجلیوں کا خزانہ

وہ باربط سا اک طلسمِ معانی
وہ بے ربط سا اک مسلسل فسانہ

جنونِ مکمل کا بھی ایک عالم
سکوتِ مسلسل کا بھی اک زمانہ

غرورِ تجمل، مگر زخم خوردہ!
شکستِ محبت، مگر فاتحانہ

⁂

(۵۲)

یہ فلک یہ ماہ و انجم، یہ زمیں یہ زمانہ
ترے حسن کی حکایت مرے عشق کا فسانہ

یہ ہے عشق کی کرامت، یہ کمالِ شاعرانہ
ابھی منہ سے بات نکلی ابھی ہو گئی فسانہ

یہ علیل سی فضائیں، یہ مریض سا زمانہ
تری پاک تر جوانی، ترا حسن معجزانہ

یہ مرا پیام کہنا تو صبا مؤدبانہ!
کہ گزر گیا ہے پیارے تجھے دیکھے اک زمانہ

مجھے چاکِ جیب و دامن سے نہیں مناسبت
یہ جنوں ہی کو مبارک رہ و رسمِ عامیانہ

تجھے حادثاتِ پیہم سے بھلا ملے گا کیا ناداں
ترا دل اگر ہو زندہ تو نفس بھی تازیانہ

تری اک نمود سے ہے، ترے اک حجاب تک ہے
مری فکرِ عرش پیما، مرا نازِ شاعرانہ

مجھے عشق کی صداقت پہ بھی شک سا ہو چلا ہے
مرے دل سے کہہ گئی کیا وہ نگاہِ ناقدانہ

تجھے اے جگرؔ ہوا کیا کہ بہت دنوں سے پیارے
نہ بیانِ عشق و مستی، نہ حدیثِ دلبرانہ!

(۵۳)

وہ ادائے دلبری ہو کہ نوائے عاشقانہ
جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ

یہ ترا جمالِ کامل، یہ شباب کا زمانہ
دلِ دشمناں سلامت، دلِ دوستاں نشانہ

کبھی حسن کی طبیعت نہ بدل سکا زمانہ
وہی نازِ بے نیازی، وہی شانِ خسروانہ

میں ہوں اس مقام پر اب کہ فراق و وصل کیسے
مرا عشق بھی کہانی، ترا حسن بھی فسانہ

لہ "ک" حسن سمجھئے یا جو کچھ، صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے (جگر)

مری زندگی تو گذری ترے ہجر کے سہارے
مری موت کو بھی پیارے کوئی چاہئے بہانہ

ترے عشق کی کرامت یہ اگر نہیں تو کیا ہے
کبھی بے ادب نہ گزرا مرے پاس سے زمانہ

تری دوری و حضوری کا ہے یہ عجیب عالم
ابھی زندگی حقیقت ابھی زندگی فسانہ

قطعہ

مرے ہم صفیر بلبل مرا تیرا ساتھ ہی کیا!
میں ضمیرِ دشت و دریا تو اسیرِ آشیانہ

میں وہ صاف ہی نہ کہہ دوں جو ہے فرق مجھ میں تجھ میں
ترا درد دردِ تنہا، مرا غم غمِ زمانہ

ترے دل کے ٹوٹنے پر ہے کسی کو ناز کیا کیا
تجھے اے جگر مبارک یہ شکستِ فاتحانہ

(۱۴۵)

محبت کار فرمائے دو عالم ہوتی جاتی ہے
کہ دنیائے دل شائستۂ غم ہوتی جاتی ہے

ہر اک صورت، ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
الٰہی کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے!

زمانہ گرمِ رفتارِ ترقی ہوتا جاتا ہے!
مگر اک چشمِ ساغر ہے کہ پُرنم ہوتی جاتی ہے

جہاں تک توڑتا جاتا ہوں رسمِ ظاہر و باطن
دلیلِ عاشقی اتنی ہی محکم ہوتی جاتی ہے!

جہاں تک دل کا شیرازہ فراہم کرتا جاتا ہوں
یہ محفل اور برہم اور برہم ہوتی جاتی ہے!

وہ اک ہائے احساسِ محبت، ارے معاذ اللہ

کہ اب اک اک گھڑی ایک ایک عالم ہوتی جاتی ہے

غرورِ حسن رخصت، الفراق اے نازِ خود بینی!

مزاجِ حسن سے اب تمکنت کم ہوتی جاتی ہے

یہی جی چاہتا ہے چھیڑتے ہی چھیڑتے رہیئے

بہت دلکش، ادائے حسنِ برہم ہوتی جاتی ہے!

ارے توبہ، یہ تکمیلِ شباب و حسن ارے توبہ

کہ ہر ظالم ادا تقدیرِ عالم ہوتی جاتی ہے!

تصور رفتہ رفتہ اک سراپا بنتا جاتا ہے

وہ اک شے جو مجھی میں ہے، مجسم ہوتی جاتی ہے

وہ رہ رہ کر گلے مِل مِل کے رخصت ہوتے جاتے ہیں

مری آنکھوں سے یارب روشنی کم ہوتی جاتی ہے

جدھر سے میں گذرتا ہوں نگاہیں اٹھتی جاتی ہیں

مری ہستی بھی کیا تیرا ہی عالم ہوتی جاتی ہے

جگر تیرے سکوتِ غم نے یہ کیا کہہ دیا ان سے

جھکی پڑتی ہیں نظریں آنکھ پُرنم ہوتی جاتی ہے

⁂ ⁂ ⁂

(۵۶)

کیا کشش حسنِ بے پناہ میں ہے
جو قدم ہے اسی کی راہ میں ہے!

مے کدہ میں، نہ خانقاہ میں ہے
تیرے دل میں مری نگاہ میں ہے!

عشق میں کیسی منزلِ مقصود
وہ بھی اک گرد ہے جو راہ میں ہے

میں جہاں ہوں، ترے خیال میں ہوں
تو جہاں ہے مری نگاہ میں ہے!

حسن کو بھی کہاں نصیب جگرؔ
وہ جو اک شے مری نگاہ میں ہے

(۵۷)

کسی صورت نمودِ سوزِ پنہانی نہیں جاتی
بجھا جاتا ہے دل، چہرے کی تابانی نہیں جاتی

نہیں جاتی، کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی!
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

نگاہوں کو خزاں نا آشنا بننا تو آجائے
مگر جب تک غمِ جلوہ سامانی نہیں جاتی

پشیمانِ ستم وہ دل ہی دل میں رہتے ہیں لیکن
خوشا حسن، طرزِ ناپشیمانی نہیں جاتی!

مزاجِ اہلِ دل بے کیف و مستی رہ نہیں سکتا
کہ جیسے نکہتِ گل سے پریشانی نہیں جاتی!

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے، مانی نہیں جاتی

بلندی چاہیے انساں کی فطرت میں پوشیدہ
کوئی ہو بھیس لیکن شانِ سلطانی نہیں جاتی

گئے وہ دن کہ دل سرمایۂ دردِ پیہم تھا!
مگر آنکھوں کی اب تک میر سامانی نہیں جاتی

جسے رونق ترے قدموں نے دے کر چھین لی رونق
وہ لاکھ آباد ہو، اس گھر کی ویرانی نہیں جاتی

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

مجھے تو کر دیا سیراب ساقی نے مرے لیکن
مری سیرابیوں کی تشنہ سامانی نہیں جاتی

نہیں معلوم کس عالم میں حسنِ یار دیکھا تھا
کوئی عالم ہو لیکن دل کی حیرانی نہیں جاتی!

جلے جاتے ہیں بڑھ بڑھ کر مٹے جاتے ہیں گر گر کر
حضورِ شمع پروانوں کی نادانی نہیں جاتی!

محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

جگرؔ وہ بھی زسر تا پا محبت ہی محبت ہے
مگر ان کی محبت صاف پہچانی نہیں جاتی!

(۵۸)

تکلف سے، تصنع سے، بری ہے شاعری اپنی
حقیقت شعر میں جو ہے، وہی ہے زندگی اپنی !

نظر سے اُن کی پہلی ہی نظر یوں مل گئی اپنی !
حقیقت میں تھی جیسے مدتوں سے دوستی اپنی

وہ اُن کی بے رخی، وہ بے نیازانہ ہنسی اپنی !
بھری محفل تھی لیکن بات بگڑی بن گئی اپنی !

جمال ان کا، مزاج اپنا، غم ان کا، زندگی اپنی !
حیاتِ حسن ہے گویا حیاتِ عاشقی اپنی !

یہاں تک تو اے جگرؔ پہونچی ہے معراجِ خودی اپنی
کہ حسن اک مشغلہ اپنا ہے، عشق اک دل لگی اپنی

ہمیں کیوں اب کوئی سمجھائے، دل اپنا، خوشی اپنی
گریباں اپنا، ہاتھ اپنے، جنوں اپنا، ہنسی اپنی
اسے سمجھے نہ سمجھے کوئی، لیکن واقعہ یہ ہے
کہ ترکِ مے کشی پر بھی وہی ہے مے کشی اپنی
جگر رہ جائے بن کر آہ جو اک کاسۂ ساحل
نہ ایسی شاعری اپنی، نہ ایسی زندگی اپنی!

(۵۹)

اگر شامل نہ در پردہ کسی کی آرزو ہوتی — تو پھر اے زندگی ظالم نہ میں ہوتا نہ تو ہوتی
اگر حائل نہ اس رخ پر نقابِ رنگ و بو ہوتی — کسے تابِ نظر ہوتی، مجالِ آرزو ہوتی
نہ اک مرکز پہ رک جاتی، نہ یوں بے آبرو ہوتی — محبت جستجو تھی، جستجو ہی جستجو ہوتی!
ترا ملنا تو ممکن تھا مگر اے جانِ محبوبی — مرے نزدیک توہینِ مذاقِ جستجو ہوتی
نگاہِ شوق اسے بھی ڈھال لیتی اپنے سانچے میں
اگر اک اور بھی دنیا ورائے رنگ و بو ہوتی

(۶۰)

وہی اس نظر میں ہیں کھب جانے والے — جو سینوں پہ ہیں برچھیاں کھانے والے
شکن کاش پڑ جائے اپنی جبیں پر! — پریشاں بہت ہیں ستم ڈھانے والے
سراپا محبت بنے جا رہے ہیں! — سلامت رہیں ان کو بہکانے والے

بہ غور اپنی جانب کبھی اے کاش دیکھیں — مرے حال پر رحم فرمانے والے
محبت کی باتیں، محبت ہی جانے — معمے نہیں ہیں، یہ سمجھانے والے
مری طاقتِ ضبط کی خیر یا رب — کرم پر تلے ہیں ستم ڈھانے والے

جو ہیں خاص بہ چشم و چراغِ محبت!
وہ آنسو نہیں ہیں نظر آنے والے!

(۶۱)

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے — خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے
حسنِ ازل کی شان دکھا کر چلے گئے — اک واقعہ سا یاد دلا کر چلے گئے!
رگ رگ میں اس طرح وہ سما کر چلے گئے — جیسے مجھی کو مجھ سے چرا کر چلے گئے!
یعنی حیاتِ عشق کو دے کر جنونِ شوق — مجھ کو تمام ہوش بنا کر چلے گئے!
سمجھا کے پستیاں مرے اوجِ کمال کی — اپنی بلندیاں وہ دکھا کر چلے گئے!
اپنے فروغِ حسن کی دکھلا کے وسعتیں — میرے حدودِ شوق بڑھا کر چلے گئے
ہر شے کو میری خاطرِ ناشاد کے لیے — آئینۂ جمال بنا کر چلے گئے!
آئے تھے دل کی پیاس بجھانے کے واسطے — اک آگ سی وہ اور لگا کر چلے گئے!
آئے تھے چشمِ شوق کی حسرت نکالنے — سر تا قدم نگاہ بنا کر چلے گئے!
اب کاروبارِ عشق سے فرصت مجھے کہاں — کونین کا وہ درد بڑھا کر چلے گئے!

شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول
اپنا سا کیوں نہ مجھ کو بنا کر چلے گئے

لب تھرتھرا کے رہ گئے لیکن وہ اے جگرؔ
جاتے ہوئے نگاہ ملا کر چلے گئے!

(۶۲)

وہ جو روٹھیں یوں منانا چاہیئے
زندگی سے روٹھ جانا چاہیئے

ہمتِ قاتل بڑھانا چاہیئے!
زیرِ خنجر مسکرانا چاہیئے!

زندگی ہے نام جہد و جنگ کا
موت کیا ہے؟ بھول جانا چاہیئے

ہے انھیں دھوکوں سے دل کی زندگی
جو حسیں دھوکا ہو کھانا چاہیئے!

لذتیں ہیں دشمنِ اوجِ کمال!
کلفتوں سے جی لگانا چاہیئے

ان سے ملنے کو تو کیا کہیے جگرؔ!
خود سے ملنے کو زمانا چاہیئے

(۶۳)

برابر سے بچ کر گزر جانے والے
یہ نالے نہیں بے اثر جانے والے

نہیں جانتے کچھ کہ جانا کہاں ہے
چلے جا رہے ہیں مگر جانے والے

مرے دل کی بے تابیاں بھی لیے جا
دبے پاؤں منہ پھیر کر جانے والے

ترے اک اشارے پہ ساکت کھڑے ہیں
"نہیں" کہہ کے سب سے گزر جانے والے

محبت میں ہم تو جیے ہیں، جئیں گے!
وہ ہونگے کوئی اور، مر جانے والے

(۶۴)

سودا جو اب ہے سر میں وہ سودا ہی اور ہے
اس کا چمن ہی اور ہے صحرا ہی اور ہے

لیلائے آب و گل تو ہزاروں مزار میں!
مجنوں لبھا ہے جس کی روح وہ لیلیٰ ہی اور ہے

جو حسنِ شش جہت سے نہ سیراب ہو سکی
محسوس اب ہوا وہ تمنا ہی اور ہے!

خود حسن استعارہ ہے جس کے جمال کا!
وہ جانِ حسن حسن سراپا ہی اور ہے!

جس سے کہ مطمئن ہو مری فطرتِ بلند
شاید وہ حسن و عشق کی دنیا ہی اور ہے

صورت میں یہ فروغ یہ جذب و کشش کہاں
در پردہ کوئی شاہدِ معنی ہی اور ہے!

یہ حسنِ رنگ رنگ بھی کچھ کم نہ تھا جگر!
کیا کیجیے کہ دل کا تقاضا ہی اور ہے

(۶۵)

یوں پرسشِ ملال وہ فرما کے رہ گئے
شکوے مری زبان تک آ آ کے رہ گئے

پہلے تو عرضِ غم پہ وہ جھنجھلا کے رہ گئے
پھر کچھ سمجھ کے سوچ کے شرما کے رہ گئے

آئینہ چوم چوم رہے تھے وہ بار بار
دیکھا جو یک بیک مجھے شرما کے رہ گئے

وہ کون ہے کہ جو سرِ منزل پہونچ سکا
دھندلے سے کچھ نشان نظر آ کے رہ گئے

نظروں پہ میرے اور تو وہ کچھ نہ کر سکے
کچھ مسکرا کے پھول سے برسا کے رہ گئے

ہر شکوہ انتقامِ محبت ہے اے جگر
شکوہ نہیں ہے ان سے جو تڑپا کے رہ گئے

(۶۶)

پھر دل ہے قصدِ کوچۂ جاناں کیے ہوئے / رگ رگ میں نیشِ عشق کو پنہاں کیے ہوئے
پھر وسعتِ خیال سے گھبرا رہا ہے دل! / پر وسعتِ خیال کو زنداں کیے ہوئے
پھر چشمِ شوق دیر سے لبریزِ شکوہ ہے / قطروں کو موج، موج کو طوفاں کیے ہوئے
پھر جاں بقرار ہے آمادۂ فغاں! / سو حشر اک سکوت میں پنہاں کیے ہوئے
پھر سوئے خلدِ حسن کھنچا جا رہا ہے دل / ہر جنتِ نظارہ کو ویراں کیے ہوئے
پھر بڑھ چلا ہے جوشِ طلب راہِ دوست میں / سو فتح ہر شکست پہ قرباں کیے ہوئے
پھر بڑھ چلیں جنونِ تمنا کی سوزشیں / برہم نظامِ عالمِ امکاں کیے ہوئے
پھر ہے نگاہِ شوق کو دیدار کی ہوس / مدت ہوئی ہے جرأتِ عصیاں کیے ہوئے
پھر لے چلی ہے وحشتِ دل شہرِ حسن میں / جنسِ گرانِ عشق کو ارزاں کیے ہوئے

پھر جی یہ چاہتا ہے کہ بیٹھے رہیں جگر
ان کی نظر سے بھی انہیں پنہاں کیے ہوئے

(۶۷)

آئے ہیں پھر وہ عزمِ دل و جاں کیے ہوئے
پلکوں کی اوٹ، حشر کا ساماں کیے ہوئے
پھر اٹھ رہی ہے عارضِ پر نور سے نقاب
نظارۂ دل نظر کو پریشاں کیے ہوئے!

پھر شام و صبحِ زلف و رخِ یار ہیں بہم
ایمان کو کفر، کفر کو ایماں کئے ہوئے

پھر حسنِ منفعل متبسّم ہے زیرِ لب
یک قطرہ انفعال سے زینتِ مژگاں کئے ہوئے

(۶۸)

ہم نے دنیا ہی میں دنیائے حقیقت دیکھی — یہیں دوزخ نظر آئی یہیں جنت دیکھی
عشق کے بھیس میں جب حسن کی صورت دیکھی — ہر ادا پھر تو قیامت تھی قیامت دیکھی
منفعلِ رنج، نہ پہنا کوئی راحت دیکھی! — یہ تری نیم نگاہی کی شرارت دیکھی!
جب تجھے دیکھ کے کونین کی وسعت دیکھی! — حسن ہی حسن محبت ہی محبت دیکھی!
نگہِ شوق کی محرومیِ تقدیر نہ پوچھ؟ — بن گئی وہ بھی فسانہ جو حقیقت دیکھی!
حسنِ بے نام نے رکھا تھا چھپا کر جس کو — وہ تجلّی بھی سرِ پردۂ حیرت دیکھی!

اس گنہگارِ محبت کو خدا ہی سمجھے!
جسنے اُس لعد بھری آنکھوں کی ندامت دیکھی

(۶۹)

واعظ نے اور نہ زاہدِ شب زندہ دار نے — مجھ کو جگا دیا مرے دل کی پکار نے!
تم کو غرورِ حسن ہے لیکن یہاں یہ فکر — چھوڑا ہے کس کو عشقِ دو عالم شکار نے
تسکینِ رنج جب نہ کسی طرح ہو سکی! — سب اپنی اپنی داستاں میں لگے مجھے پکارنے

تکلیفِ پردہ داری تکلیف الاماں! — مارا ہے مجھکو خود مرے صبر و قرار نے
طنزاً وہ دیکھتے ہیں اگر دیکھتے تو ہیں — یہ کام تو کیا دلِ ناکردہ کار نے!

وہ عشق ہی نہیں ہے وہ دل ہی نہیں جگر
بسیک خود کہا نہ جسے حسنِ یار نے!

(۷۰)

شب فراق ہے اور نیند آئی جاتی ہے — کچھ اس میں ان کی توجہ بھی پائی جاتی ہے
یہ عمر عشق یونہی کیا گنوائی جاتی ہے — حیات زندہ حقیقت بنائی جاتی ہے
بنا بنا کے جو دنیا مٹائی جاتی ہے — ضرور کوئی کمی ایسی کہ پائی جاتی ہے
ہمیں پہ عشق کی تہمت لگائی جاتی ہے — مگر یہ شرم جو چہرے پہ چھائی جاتی ہے
خدا کرے کہ حقیقت میں زندگی بن جائے — وہ زندگی جو زباں تک ہی پائی جاتی ہے
نہ سوزِ عشق، نہ برقِ جمال پر الزام! — دلوں میں آگ خوشی سے لگائی جاتی ہے

کچھ ایسے اب بھی ہیں رندانِ پاکباز جگر
کہ جن کو بے مے و ساغر پلائی جاتی ہے

(۷۱)

نقابِ حسن دو عالم اٹھائی جاتی ہے — تجھی کو میری تجلی دکھائی جاتی ہے!
قدم قدم مری ہمت بڑھائی جاتی ہے — نفس نفس تری آہٹ سی پائی جاتی ہے

وہ اک نظر جو بمشکل اٹھائی جاتی ہے
وہی نظر رگ و پے میں سمائی جاتی ہے

سکون لذت ہے موت یہاں ذوقِ جستجو کیلئے
یہ تشنگی وہ نہیں جو بجھائی جاتی ہے

خدا وہ دردِ محبت ہر ایک کو بخشے!
کہ جس میں روح کی تسکین بھی پائی جاتی ہے

وہ میکدہ ہے، تری انجمن خدا رکھے
جہاں خیال سے پہلے پلائی جاتی ہے

ترے حضور یہ کیا وارداتِ قلب ہے آج
کہ جیسے چاند پہ بدلی کی چھائی جاتی ہے

تجھے خبر ہو تو اتنی نہ فرصتِ غم دے
کہ تری یاد بھی اکثر ستائی جاتی ہے

وہ چیز کہتے ہیں فردوسِ گمشدہ جس کو
کبھی کبھی تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے

قریبِ منزلِ آخر ہے الفراق جگر
سفر تمام ہوا، نیند آئی جاتی ہے

(۷۲)

نہ اب مسکرانے کو جی چاہتا ہے
نہ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے

ستاتے نہیں وہ تو اُن کی طرف سے
خود اپنے ستانے کو جی چاہتا ہے

کوئی مصلحت روک دیتی ہے ورنہ
پلٹ دیں زمانے کو جی چاہتا ہے!

تجھے بھول جانا تو ہے غیر ممکن!
مگر بھول جانے کو جی چاہتا ہے

تواضع کرلے عشقِ چند آنسوؤں سے
بہت مسکرانے کو جی چاہتا ہے!

بہت دیر تک چھپ کے تیری نظر سے
تجھے دیکھ پانے کو جی چاہتا ہے!

تری آنکھ کو پھر جو بے خواب کر دے
وہ فتنہ جگانے کو جی چاہتا ہے!

حسیں سا تری آنکھیں حسیں تیرے آنسو
یہیں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

جگر اب تو وہ بھی یہ کہتے ہیں مجھ سے
ترے ناز اٹھانے کو جی چاہتا ہے!

(۷۳)

جلوہ بہ قدرِ ظرفِ نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم ان کو مگر دیکھتے رہے

اپنا ہی عکس پیشِ نظر دیکھتے رہے
آئینہ روبرو تھا جدھر دیکھتے رہے

کیا قہر تھا کہ پاس ہی دل کے لگی تھی آگ
اندھیر ہے کہ دیدۂ تر دیکھتے رہے

لاکھ آفتاب پاس سے ہو کر گذر گئے
بیٹھے ہم انتظارِ سحر دیکھتے رہے

ان کی حریمِ ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگارِ پردۂ در دیکھتے رہے

ایسی بھی کچھ فراق کی راتیں گذر گئیں!
جیسے انھیں کو پیشِ نظر دیکھتے رہے

ہیں دورِ بے دلی کی وہ مجبوریاں بھی یاد
آنکھیں تھیں سوگوار مگر دیکھتے رہے

ہر لحظہ شانِ حسن بدلتی رہی جگر!
ہر آن ہم جہانِ دگر دیکھتے رہے

(۷۴)

یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کیلئے تیار ہو جائے

وہی میخوار ہے جو اس طرح میخوار ہو جائے
کہ شیشہ توڑ دے اور بے پیے سرشار ہو جائے

ــــ اس لفظ کی تذکیر میرے مذاقِ شعری کو پسند نہیں اور میں اسکو ہمیشہ تانیث استعمال کرتا ہوں۔ جگر

دلِ انساں اگر شائستۂ اسرار ہو جائے!
لبِ خاموش فطرت ہی لبِ گفتار ہو جائے

ہر اک بیکار سی ہستی بروئے کار ہو جائے
جنوں کی روحِ خوابیدہ اگر بیدار ہو جائے

سنا ہے حشر میں آنکھیں اسے بے پردہ دیکھیں گی
مجھے ڈر ہے نہ توہینِ جمالِ یار ہو جائے!

حریمِ ناز میں اس کی رسائی ہو تو یوں کر ہو!
کہ جو آسودۂ زیرِ سایۂ دیوار ہو جائے!

معاذ اللہ اس کی واردات غم معاذ اللہ
چمن جس کا وطن ہو اور چمن بیزار ہو جائے

یہی ہے زندگی تو زندگی سے خودکشی اچھی!
کہ انساں عالم انسانیت پر بار ہو جائے!

اک ایسی شان پیدا کر کہ باطل تھرتھرا اٹھے!
نظر تلوار بن جائے نفس جھنکار ہو جائے!

یہ روز و شب یہ صبح و شام یہ بستی یہ ویرانہ
سبھی بیدار ہیں انساں اگر بیدار ہو جائے

(۱۷۵)

محبت صلح بھی پیکار بھی ہے!
یہ شاخِ گل بھی ہے تلوار بھی ہے

طبیعت اس طرف خوددار بھی ہے
ادھر نازک مزاجِ یار بھی ہے!

ادائے عشق ادائے یار بھی ہے!
بہت سادہ بہت پرکار بھی ہے

یہ فتنے جن سے اک دنیا ہے نالاں
انہی سے گرمیٔ بازار بھی ہے!

جنوں کے دم سے ہے تنظیمِ دو عالم
جنوں برہم زنِ افکار بھی ہے!

نفس پر ہے مدارِ زندگانی!
نفس چلتی ہوئی تلوار بھی ہے

اسی انساں میں سب کچھ ہے پنہاں
مگر یہ معرفت دشوار بھی ہے

وہ بوئے گل کہ ہے جانِ چمن بھی
قیامت ہے چمن بیزار بھی ہے

یہی دنیا ہے بستی آنسوؤں کی!
یہی دنیا تبسم زار بھی ہے!

جہاں وہ ہیں وہیں میرا تصور
جہاں میں ہوں خیالِ یار بھی ہے

خبردار اے سبک سارانِ ساحل
یہ ساحل ہی کبھی منجدھار بھی ہے

غنیمت ہے کہ اس دورِ ہوس میں
ترا ملنا بہت دشوار بھی ہے!

جو کوئی سن سکے تو نکہتِ گل!
شکستِ رنگ کی جھنکار بھی ہے

ان آنکھوں کی رہے معجز بیانی
بہم انکار بھی، اقرار بھی ہے!

(۷۶۱)

نہ تابِ مستی نہ ہوشِ ہستی کہ شکرِ نعمت ادا کریں گے
خزاں میں جب ہے یہ اپنا عالم، بہار آئی تو کیا کریں گے

ہر ایک غم کو فروغ دے کر یہاں تک آراستہ کریں گے
وہی جو رہتے ہیں دور ہم سے، خود اپنی آغوش وا کرینگے

جدھر سے گذریں گے سرفروشانہ کارنامے سنا کریں گے
وہ اپنے دل کو ہزار روکیں، مری محبت کو کیا کریں گے!

نہ شکرِ غم زیرِ لب کریں گے، نہ شکوہ ہم برملا کریں گے!
جو ہم پہ گذرے گی دل ہی دل میں کہا کرینگے سنا کریں گے

ترے تصور سے حاصل اتنا کمال کسبِ ضیا کریں گے!
جہاں کچھ آنسو ٹپک پڑیں گے ستارے مجرے کیا کرینگے

یہ ظاہری جلوہ ہائے رنگیں فریب کب تک دیا کریں گے
نظر کی جو کر سکے نہ تسکیں وہ دل کی تسکین کیا کریں گے!

وہاں بھی آہیں بھرا کریں گے، وہاں بھی نالے کیا کریں گے
جنہیں ہے تجھ سے ہی صرف نسبت، وہ تیری جنت کو کیا کرینگے

نہیں ہے جن کو مجالِ ہستی، سوائے اس کے وہ کیا کرینگے
کہ جس زمیں کے ہیں بسنے والے اسے بھی رسوا کیا کریں گے

یہاں نہ دنیا نہ فکرِ دنیا یہاں نہ عقبیٰ نہ فکرِ عقبیٰ!
جنہیں امرِ ماسوا بھی ہوگا، وہی غمِ ماسوا کریں گے!

ہم اپنی کیوں طرزِ فکر چھوڑیں، ہم اپنی کیوں وضعِ خاص بدلیں
کہ انقلاباتِ نو بہ نو تو ہوا کیے ہیں ہوا کریں گے!

یہ محنتِ عشق کے مراحل، یہ ہر قدم پہ ہزار احساں
جو بچ رہے تو جنوں کے حق میں جئیں گے جب تک دعا کرینگے

یہ خام کارانِ عشق سوچیں، یہ شکوہ سنجانِ حسن سمجھیں
کہ زندگی خود حسیں نہ ہوگی تو پھر توجہ وہ کیا کریں گے

خود اپنے ہی سوزِ باطنی سے نکال اک شمعِ فانی
چراغِ دیر و حرم تو اے دل، جلا کرینگے بجھا کرینگے

(۱۷)

کس کا خیال کون سی منزل نظر میں ہے؟
صدیاں گزر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے

چہرے پہ برملا ہے تبسم نظر میں ہے
اب کیا کمی تمہاری قلب و جگر میں ہے

اک روشنی سی آج ہر اک دشت و در میں ہے
کیا میرے ساتھ خود مری منزل سفر میں ہے

تسلیمِ حسنِ دوست کی معصومیاں مگر
شامل کوئی تو فتنۂ شام و سحر میں ہے

صیاد کی نظر میں وہ نشتر سے کم نہیں
اک لرزشِ خفی جو مرے بال و پر میں ہے

یارب! وفائے عذرِ محبت کی خیر
نازک سا اعتراف بھی آج اس نظر میں ہے

بھٹکے بھٹکے دور تجھ سے نکل جائیں گے کہیں
دیکھا تو ہر مقام تری رہ گزر میں ہے

کاریگرانِ شعر سے پوچھے کوئی جگر!
سب کچھ تو ہے مگر یہ کمی کیوں ہنر میں ہے

(۷۸)

زندگی ہے مگر پرائی ہے ! مرگِ غیرت ! تری دہائی ہے !
جب مسرت قریب آتی ہے غم نے کیا کیا ہنسی اڑائی ہے
حسن نے جب شکست کھائی ہے عشق کی جان پر بن آئی ہے !
عشق کو زعمِ پارسائی ہے حسنِ کافر ! تری دہائی ہے !
ہائے وہ سبزۂ چمن کہ جسے ! سایۂ گل میں نیند آئی ہے !
عشق ہے اس مقام پر کہ جہاں زندگی نے شکست کھائی ہے !
خاکِ منزل کو منہ سے ملتا ہوں یادگارِ شکستہ پائی ہے !
اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے

ہم سے شاد ، وصل سے ناشاد
کیا طبیعت جگر نے پائی ہے

(۷۹)

اگر جمالِ حقیقت سے ربطِ محکم ہے نفس نفس میں نئی زندگی کا عالم ہے
نہیں مقابلہ کوئی مگر یہ کیا کم ہے خود آفتابِ درخشاں حریفِ شبنم ہے
الٰہی خیر ! یہ کیا شامِ ہجر کا عالم ہے کہ جیسے آج ستاروں میں روشنی کم ہے
نہ کوئی خلد نہ زاہد ! کوئی جہنم ہے خود اپنی اپنی نظر ، اپنا اپنا عالم ہے
ہر ایک قطرے میں دریائے معرفت ہے رواں مگر نصیب ہو کیونکر یہ پیاس ہی کم ہے
ابھی کمال کو پہنچی نہیں ہے فطرتِ عشق ! کہ آدمی کو ہنوز انتظارِ آدم ہے !

جنوں بھی ساتھ نہ دے اب تو کچھ نہیں پروا
جو گوشِ دل سنو تم، تو بزمِ ہستی بیم!!
خزاں کا رنج کرے عشق میں بلا میری!
حسین و سادہ ہے کس درجہ فطرتِ شاعر

خوشا کہ تیری نگاہوں سے ربط محکم ہے
سکوتِ ساز بھی اک نغمۂ مجسّم ہے
نہیں بہار تو یادِ بہار کیا کم ہے
ہنسے تو غنچہ و گل، رو پڑے تو شبنم ہے

خوشی میں بھول نہ جانا جگرؔ یہ رازِ حیات
کہ جو خوشی ہے یہاں اک امانتِ غم ہے

(۸۰)

حسن و صورت کے نہ حسرت کے نہ ارمانوں کے
اُف کہ انسان ہیں مارے ہوئے انسانوں کے
کیا مقامات ہیں ان سوختہ سامانوں کے
خضر خود بڑھ کے قدم لیتے ہیں دیوانوں کے
انہیں ذرات میں خاموش سے ویرانوں کے
دل دھڑکتے نظر آئے مجھے انسانوں کے
جلوۂ دوست، یہ آہستہ خرامی تا چند
ندیاں سوکھ چلیں شوق میں طوفانوں کے
موجِ مے، رنگِ شفق، لالہ و گل، مطلعِ صبح!
چند عنوان ہیں مرے شوق کے افسانوں کے
اسی کشتی کو نہیں تابِ تلاطم، صد حیف

جس نے منہ پھیر دیئے تھے کبھی طوفاں کے!

حُسن کی جلوہ گری سے ہے محبّت کا جنوں!
شمع روشن ہوئی، پر لگ گئے پروانوں کے

مرحبا! جذبۂ بیباک جوانانِ وطن!!
تیغِ چم خم ہے مگر ہاتھ میں نادانوں کے!

نازِ ہے شاہدِ فطرت کو بھی جن پر ہمدم
وہ چمن سب ہیں لگائے ہوئے دیوانوں کے

میں نے دیکھا ہے اسے روپ میں فطرت کے مگر
میں نے پایا ہے اسے بھیس میں انسانوں کے

(۸۱)

رگ رگ میں ایک برقِ خراماں لئے ہوئے
دل ہے ہوائے منزلِ جاناں لئے ہوئے

دل ہے تجلیات کا طوفاں لئے ہوئے
لیکن حجابِ دیدۂ حیراں لئے ہوئے

ناصح اگر گدازِ عشق کی معراج دیکھنا!
ہر قطرہ خوں ہے شمعِ فروزاں لئے ہوئے

وہ سامنے تو آئے مگر اس ادا کے ساتھ
اک طرزِ التفاتِ گریزاں لئے ہوئے

دل کو ہی کیوں گلہ کہ بظاہر تو وہ نگاہ
نشتر لئے ہوئے ہے، نہ پیکاں لئے ہوئے

کانٹوں میں جیسے پھول جہنم میں جیسے خلد
آنکھیں ہیں یوں ندامتِ عصیاں لئے ہوئے

اہلِ سلامتی کی طرف سے اسے سلام
کشتی جو غرق ہو گئی طوفاں لئے ہوئے

دل میں کہاں امید و تمنا کا وہ ہجوم
پھرتا ہوں ایک جنتِ ویراں لئے ہوئے

ہونا تھا چاک چاک گریباں کو جنوں — لیکن کسی کا گوشۂ داماں لیے ہوئے
ہر مرحلے سے عشق گزرتا چلا گیا! — دل میں ادائے حسنِ گریزاں لیے ہوئے

پھولوں کو نازِ حسن اگر ہے تو ہو جگر!
کانٹے بھی ہیں غرورِ گلستاں لیے ہوئے

(۸۲)

کس کا خیال ہے دلِ مضطر لیے ہوئے — آنکھیں ہیں رنگ و بوئے گلِ تر لیے ہوئے
آئی ہے موت حسن کا منظر لیے ہوئے — لیکن غمِ حیات مکرر لیے ہوئے
ہر لحظہ اک سرورِ میسّر لیے ہوئے — خود زندگی ہے بادہ و ساغر لیے ہوئے
ہشیار اے نگاہِ ستم آشنائے دوست — دل بھی ہے اک لطیف سا نشتر لیے ہوئے
کونین کی ہوس میں ہے انساں ذلیل و خوار — کونین اپنے سینے کے اندر لیے ہوئے
دنیا بھی کیا مقام ہے جس میں کہ بارہا! — ہنسنا پڑا ہے قلبِ مکدر لیے ہوئے
شرمِ گنہ سے بڑھ کے ہے عفوِ گنہ کی شرم! قطعہ — یارب کہاں میں جاؤں یہ نشتر لیے ہوئے
عصیاں کا بار ہٹ تو گیا مرے اے کریم — لیکن ہوں ایک بوجھ سا دل پر لیے ہوئے

اللہ رے بے بسی کہ غمِ روزگار بھی! — بیٹھا ہوں ترے غم کے برابر لیے ہوئے
اف رے تجلیِ رخِ ساقی، کہ بادہ کش — رہ رہ گئے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے

آنکھیں ابھی کچھ اور بھی ہیں منتظر مگر!
پھیرا کی قتل گاہ کا منظر لیے ہوئے

(۸۳)

راز جو سینۂ فطرت میں نہاں ہوتا ہے
سب سے پہلے دلِ شاعر پہ عیاں ہوتا ہے

سخت خونریز جب آشوبِ جہاں ہوتا ہے
نہیں معلوم یہ انسان کہاں ہوتا ہے!

جب کوئی حادثۂ کون و مکاں ہوتا ہے
ذرہ ذرہ مری جانب نگراں ہوتا ہے

جو نظر کردۂ صاحب نظراں ہوتا ہے
اسی دیوانے کے تیور میں جہاں ہوتا ہے

جب کوئی عشق میں بربادِ جہاں ہوتا ہے
مجھ کو محسوس خود اپنا ہی زیاں ہوتا ہے

منزل ہے ادب گاہِ محبت کی زمیں
کوئی دیکھے تو یہ ہنگامہ کہاں ہوتا ہے

قطعہ

کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی ہو کوئی آزار
تجھ کو جس چیز پہ راحت کا گماں ہوتا ہے

دلِ غنی ہو تو ہر اک رنج بھی دل کی راحت
ذہن مفلس ہو تو ہر سود زیاں ہوتا ہے!

قطعہ

امتحان گاہِ محبت میں نہ رکھے وہ قدم
موت کے نام سے جس کو خفقاں ہوتا ہے

یہی وہ منزلِ دشوار ہے جس منزل میں!
ختم ہر مرحلۂ سود و زیاں ہوتا ہے!

ہر قدم معرکۂ کرب و بلا ہے در پیش
ہر نفس سانحۂ مرگِ جواں ہوتا ہے

ناز جس خاکِ وطن پہ تھا مجھے، آہ مجھ کو
اسی جنت پہ جہنم کا گماں ہوتا ہے!

(۸۴)

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے، جہاں ہوتا ہے
اہلِ دل کے لیے سرمایۂ جہاں ہوتا ہے

ہائے وہ وقت کہ جب حسن پہ آتا ہے شباب
اُف وہ ہنگام کہ جب عشق جواں ہوتا ہے!

کبھی اک زندہ حقیقت نظر آتا ہے جہاں
کبھی ہر علم و یقیں، وہم و گماں ہوتا ہے

دل کو بیدرد محبت میں بتانے والے
دل سا ہمدرد زمانے میں کہاں ہوتا ہے

وقت آتا ہے اک ایسا بھی محبت میں کہ جب
دل پہ احساسِ محبت بھی گراں ہوتا ہے

ہائے وہ سلسلۂ اشک کہ جو تیرے حضور
دل میں رکتا ہے نہ آنکھوں سے رواں ہوتا ہے

عزمِ بیباک اگر ہو تو کہاں کی دوری
حسن خود منتظرِ عشقِ جواں ہوتا ہے!

قطعہ
شرح و تفصیل سے بیگانہ گذر جائے دوست
عقل بڑھتی ہے مگر دل کا زیاں ہوتا ہے

روح بن جاتی ہے خود نغمۂ بے ساز و صدا
ختم جب معرکۂ لفظ و بیاں ہوتا ہے

قطعہ
وسعتِ فکر و نظر بھی نہ مجھے راس آئی!
ہر تبسم پہ جراحت کا گماں ہوتا ہے!

ساز و مطرب کے کرشموں پہ نہ جانا کہ یہاں
اکثر اس طرح سے بھی رقصِ فغاں ہوتا ہے

انقلابات سے کیا خوف کہ ہر عزم جنگ
انکی آغوش میں پلتا ہے، جواں ہوتا ہے

(۸۵)

آج بھی یوں تو ہر اک رند جواں ہے ساقی
مگر اک آن جو پہلے تھی کہاں ہے ساقی

زندگی سلسلۂ خوابِ گراں ہے ساقی!
لاؤ وہ فتنۂ بیدار کہاں ہے ساقی

حرم و دیر کا چھٹنا تو گوارا، لیکن!
دل کو آرام وہاں تھا نہ یہاں ہے ساقی

طنز و تعریض کی آخر کوئی حد ہوتی ہے
آدمی ہوں، مرے منہ میں بھی زباں ہے ساقی

اپنے منصب کا نہ احساس، نہ رندوں کی خبر ہے
دیر سے آج خدا جانے کہاں ہے ساقی!

زیست یا تیری نظر، دل کے اشاراتِ لطیف
موجِ صہبا ہے کہ فردوسِ رواں ہے ساقی!

(٨٦)

ہر وہ حلقہ جو تری کاکلِ شب گیر میں ہے — گوشۂ امن بلا خانۂ زنجیر میں ہے!

شاہدِ روح کہاں، جلوہ گہِ ناز کہاں! — خاک مصروف ابھی خاک کی تعمیر میں ہے

کون سمجھائے یہ قاصد کو دمِ رخصتِ شوق — ربطِ محکم ابھی بے ربطیِ تحریر میں ہے!

اپنے سر آپ نہ لیں دل شکنی کا الزام! — مجھ کو معلوم ہے جو کچھ مری تقدیر میں ہے!

خود کھنچے آتے ہیں زنداں کی طرف دیوانے — کوئی تو ذوقِ کشش نالۂ زنجیر میں ہے!

دیکھنا جبرِ مشیت کہ بقیدِ زنداں! — پاؤں زنجیر سے باہر ہے نہ زنجیر میں ہے

چھپ کے پہروں اسے دیکھنے والے یہ بتا
تجھ میں کیا بات نہیں جو مری تصویر میں ہے

(٨٧)

شرما گئے، لجا گئے، دامن چھڑا گئے! — اے عشق! مرحبا! وہ یہاں تک تو آ گئے!

دل پر ہزار طرح کے اوہام چھا گئے! — یہ تم نے کیا کیا، مری دنیا میں آ گئے!

سب کچھ لٹا کے راہِ محبت میں اہلِ دل — خوش ہیں، کہ جیسے دولتِ کونین پا گئے!

حسنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا! — وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

عقل و جنوں میں سب کی تھیں راہیں جدا جدا — ہر پھر کے لیکن ایک ہی منزل پہ آ گئے!

اب کیا کروں میں فطرتِ ناکامِ عشق کو!
جتنے تھے حادثات، مجھے راس آ گئے!

(۸۸)

یوں تو ہونے کو گلستاں بھی ہے، ویرانہ بھی ہے
دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں کوئی دیوانہ بھی ہے!

بات سادہ ہی سہی، لیکن حکیمانہ بھی ہے
یعنی ہر انساں بقدرِ ہوش دیوانہ بھی ہے

ہوشیار او مستِ صہبائے تغافل ہوشیار
عشق کی فطرت میں اک شانِ حریفانہ بھی ہے

ہوش میں رہتا، تو کیا جانے کہاں رکتا قدم
یہ غنیمت ہے، مزاجاً عشق دیوانہ بھی ہے

کس جگہ واقع ہوا ہے حضرتِ واعظ کا گھر
دور مسجد بھی نہیں، نزدیک میخانہ بھی ہے

ملتا جلتا ہے مزاجِ حسن ہی سے رنگِ عشق
شمع گر بیباک ہے، گستاخ پروانہ بھی ہے

زندگانی کا صرف ہے جام و سبو
بے خبر، مے خانہ میں اک اور میخانہ بھی ہے

خیر ہے زاہد، یہ کیسا انقلاب آیا کہ آج!
تیرے ہر انداز میں اک کیفِ رندانہ بھی ہے

حاصلِ ہر جستجو آخر یہی نکلا جگر
عشق خود منزل بھی ہے منزل سے بیگانہ بھی ہے

(۸۹)

ہر تجلی یہیں نظر آئی !! اف رے تیری حجاب آرائی

دل نے لغزش جہاں کوئی کھائی ایک آواز کان میں آئی!

یوں تو وہ شکوہ سنجِ رسوائی اور در پردہ ہمت افزائی

زندگی تو ہمیں کہاں لائی اک محبت ہزار رسوائی

مجھ کو شکوہ ہے اپنی آنکھوں سے تم نہ آئے تو نیند کیوں آئی

نیچی نظروں سے دیکھنے والے دیکھنا زخمِ دل کی گہرائی!

عشق کی بدحواسیاں توبہ بارہا خود مجھے ہنسی آئی!

عشق میں عشق کی بلا جانے ناپذیرائی و پذیرائی!

دو دل اس طرح مل گئے ناگاہ جیسے برسوں کی ہو شناسائی

پھول بننا تھا مسکرانا تھا وہ کلی ہی دکھی جو مرجھائی!

کارگاہِ حیات میں اے دوست یہ حقیقت مجھے نظر آئی

ہر اجالے میں تیرگی دیکھی ہر اندھیرے میں روشنی آئی

اب یہ محسوس ہو چلا ہے جگر
موت ہے، زندگی کی تنہائی

(٩٠)

خود وہ اٹھے ہیں جام لئے — اب وہ ہے کافر جو نہ پیئے
ان کی بلا سے، ان کے لئے — کوئی مرے یا کوئی جیئے

ہم بھی گرے سو بار مگر
ان کو بھی اپنے ساتھ لئے

(٩١)

جان کر مِن جملۂ خاصانِ مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ننگِ مے خانہ تھا میں ساقی نے یہ کیا کر دیا
پینے والے کہہ اٹھے "یا پیرِ مے خانہ" مجھے

سبزہ و گل، موجِ دریا، انجم و خورشید و ماہ
اک تعلق سب سے ہے لیکن رقیبانہ مجھے

زندگی میں آ گیا جب کوئی وقتِ امتحاں
اس نے دیکھا ہے جگر بے اختیارانہ مجھے

(٩٢)

آ پڑا کچھ وقت ایسا گردشِ ایام سے — زندگی شرما رہی ہے زندگی کے نام سے
جب کبھی بچ کر چلا ہوں جلوہ گاہِ عام سے — الجھ گئے ہیں خود مری فکر و نظر کے دام سے

کچھ انہیں بھی ربط ہے میری حسرتِ ناکام سے
اور مجھے بھی گریزاں التفاتِ عام سے

ہوگیا ہے درہم و برہم نظامِ میکدہ !
جب کبھی توبہ مری ٹکرا گئی ہے جام سے

انکی محفل کا تو کیا کہنا، مگر اے ہم نشیں
رنگِ محفل کہہ رہا ہے دل ہیں بے آرام سے

آج کل مے خانہ میں تقسیم ہوتے ہیں جگر
زہر کے ساغر شرابِ زندگی کے نام سے

(٩٣)

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے !
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

ہائے وہ کیوں کر دل بہلائے
غم بھی جس کو راس نہ آئے !

ضد پر عشق اگر آجائے !
پانی چھڑکے، آگ لگائے !

دل پہ کچھ ایسا وقت پڑا ہے
بھاگے، لیکن راہ نہ پائے !

کیسا مجاز اور کیسی حقیقت
اپنے ہی جلوے، اپنے ہی سائے

جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
روح اگر تسکین نہ پائے !

ایک زمانہ جتنا جتنا !
بنتا جائے بگڑتا جائے !

ضبطِ محبت، شرطِ محبت
جی ہے کہ ظالم امڈا آئے !

حسن وہی ہے حسن، جو ظالم ! قطعہ
ہاتھ لگائے ہاتھ نہ آئے !

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو
روح سنے اور روح سنائے

راہِ جنوں آساں ہوتی ہے
زلف و مژہ کے سائے سائے

(۱۹)

صحنِ کعبہ نہ سہی، کوئے صنم خانہ سہی
خاک اڑانی ہے تو پھر کوئی بھی ویرانہ سہی!

زندگی تلخ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
اس میں کچھ چاشنیٔ مشربِ رندانہ سہی

آپ سے جس کو ہو نسبت، وہ جنوں کیا کم ہے
دونوں عالم نہ سہی، اک دلِ دیوانہ سہی

اپنی شوریدہ مزاجی کو کہاں لے جاؤں
تیرا ایما نہ سہی، تیرا اشارہ نہ سہی!

زندگی لغزشِ قدم بن کے بکھر جاتی ہے
اے جنوں! اور بھی اک لغزشِ مستانہ سہی

یہ ہوائیں، یہ گھٹائیں، یہ فضائیں، یہ بہار
محتسب آج تو شغلِ مے و پیمانہ سہی

حسن خود پردہ کشائے رخِ مقصود تو ہے
عشق کو حوصلۂ عرضِ تمنا نہ سہی!

کون ایسا ہے یہاں، عشق ہے جس کا بے لاگ
آپ کی جان سے دور آپ کا دیوانہ سہی!

زندگی آج بھی دلکش ہے انہیں کے دم سے
حسن اک خواب سہی، عشق اک افسانہ سہی

تشنہ لب ہاتھ پہ کیوں ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
کچھ نہیں ہے تو شکستِ خُم و خُمخانہ سہی!

میں نہ زاہد سے ہوں شرمندہ نہ صوفی سے مگر
مسلکِ عشق مرا، مسلکِ رندانہ سہی

(۹۵)

یہ راز ہم پر ہوا نہ افشا کسی کی خاص اک نظر سے پہلے
کہ تھی ہماری ہی کم نگاہی ہمیں نہ تھی کچھ خبر سے پہلے!

یہ زندگی، خاک زندگی تھی گدازِ قلب و جگر سے پہلے
ہر اک شے، غیر معتبر تھی ترے غمِ معتبر سے پہلے

تجھے ہو سیرِ چمن مبارک، مگر یہ رازِ چمن بھی سن لے
کلی کلی خون ہو چکی تھی، شگفتِ گل ہائے تر سے پہلے

کہاں کہاں اڑ کے پہنچے شعلے، یہ ہوش کسکو، یہ کون جانے
ہمیں بس اتنا ہے یاد اب تک، لگی تھی آگ اپنے گھر سے پہلے

قفس کی نازک سی تیلیوں کی بھی کچھ حقیقت ہے ہمصفیرو
مگر الجھنا پڑے گا شاید، خود اپنے ہی بال و پر سے پہلے

کہاں یہ شورش، کہاں یہ مستی، کہاں یہ رنگینیوں کا عالم
زمانہ خواب و خیال سا تھا ترے فسونِ نظر سے پہلے

خوشا یہ بیماریِ محبت، نہ ہے یہ خودداریِ طبیعت

وہی ہیں مصروفِ دلنوازی، وہی جو تھے ہجر سے پہلے

زمانہ مانے، نہ مانے لیکن ہمیں یہی ہے یقینِ کامل
جہاں اٹھا کوئی تازہ فتنہ، اٹھا تری رہگذر سے پہلے

اگرچہ ذوقِ نظارہ میں بھی ہزار سرمستیاں بھری تھیں!
مگر یہ بیباکیاں کہاں تھیں ترے حجابِ نظر سے پہلے

اٹھا جو چہرے سے پردۂ شب، سمٹ کے مرکز پہ آ گئے سب
تمام جلوے جو منتشر تھے، طلوعِ حسنِ بشر سے پہلے

مری طبیعت کو حسنِ فطرت سے ربطِ باطن نہ جانے کیا ہے
مری نگاہیں کبھی نہ اٹھیں طہارتِ چشمِ تر سے پہلے

وہ یادِ آغازِ عشق، اب تک انیسِ جان و دلِ حزیں ہے
وہ اک جھجک سی، وہ اک جھجک سی، ہر التفاتِ نظر سے پہلے

ہمیں نہ تھے کیا جستجو کا حاصل، ہمیں نہ تھے کیا آپ اپنی منزل
وہیں پہ آ کر ٹھہر گیا دل، چلے تھے جس رہگذر سے پہلے

بس ایک دل اور کیفِ وحشت، بس ایک ہم اور جمالِ فطرت
یہ زندگی کس قدر حسین تھی، شعور و فکر و نظر سے پہلے!

ہمارے شوقِ جنوں ادا کی، ستم ظریفی تو کوئی دیکھے
کہ نامہ بر کو روانہ کر کے پہنچ گئے نامہ بر سے پہلے

کہاں تھی یہ روح میں لطافت، کہاں تھی کونین میں وسعت
حیات ہی جیسے سو رہی تھی کسی کی پہلی نظر سے پہلے

یہ نالہ کیوں لب ہے! یہ نغمہ کیوں لب ہے؛ یہ آہ کیسی! یہ واہ کیسی!
یہ پوچھ لے آئینے کے دل سے، نہ پوچھ اپنے جگر سے پہلے!

(۹۱)

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گذرے!
تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی، کہاں گذرے
جو تیرے عارض و گیسو کے درمیاں گذرے!
کبھی کبھی وہی لمحے بلائے جاں گذرے
مجھے یہ وہم رہا مدتوں کہ جرأتِ شوق
کہیں نہ خاطرِ معصوم پر گراں گذرے
ہر اِک مقامِ محبت بہت ہی دلکش تھا!
مگر ہم اہلِ محبت کشاں کشاں گذرے
جنوں کے سخت مراحل بھی تیری یاد کے ساتھ
حسیں حسیں نظر آئے، جواں جواں گذرے
مری نظر سے تری جستجو کے صدقے میں
یہ اک جہاں ہی نہیں سینکڑوں جہاں گذرے
ہجومِ جلوہ میں پرواز شوق کیا کہنا!
کہ جیسے روح ستاروں کے درمیاں گذرے
خطا معاف، زمانے سے بدگماں ہو کر!

تری وفا پہ بھی، کیا کیا ہمیں گماں گذرے
مجھے تھا شکوۂ ہجراں، کہ یہ ہوا محسوس !
مرے قریب سے ہو کر وہ ناگہاں گذرے
رہِ وفا میں اک ایسا مقام بھی آیا !
کہ ہم خود اپنی طرف سے بھی بدگماں گذرے
خلوص جس میں ہو شامل، وہ دردِ عشق و ہوس
نہ رائیگاں کبھی گذرا، نہ رائیگاں گذرے
اسی کو کہتے ہیں جنت، اسی کو دوزخ بھی !
وہ زندگی جو حسینوں کے درمیاں گذرے
بہت حسین مناظر بھی حسنِ فطرت کے
نہ جانے آج طبیعت پہ کیوں گراں گذرے
وہ جن کے سائے سے بھی بجلیاں لرزتی تھی
مری نظر سے کچھ ایسے بھی آشیاں گذرے
مرا تو فرضِ چمن بندی جہاں ہے فقط !!
مری بلا سے، بہار آئے یا خزاں گذرے !!
کہاں کا حسن، کہ خود عشق کو خبر نہ ہوئی
رہِ طلب میں کچھ ایسے بھی امتحاں گذرے
بھری بہار میں تاراجیِ چمن، مت پوچھ !
خدا کرے، نہ پھر آنکھوں سے وہ سماں گذرے

کوئی نہ دیکھ سکا جن کو دو دلوں کے سوا !
معاملات کچھ ایسے بھی درمیاں گذرے

کبھی کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گذرے

بہت حسین سہی صحبتیں گلوں کی ، مگر !
وہ زندگی ہے جو کانٹوں کے درمیاں گذرے

قطعہ

ابھی سے تجھ کو بہت ناگوار ہیں ہمدم !
وہ حادثات جواب تک رواں دواں گذرے

جنھیں کہ دیدۂ شاعر ہی دیکھ سکتا ہے
وہ انقلاب ترے سامنے کہاں گذرے

بہت عزیز ہے مجھ کو انھیں کی یاد جگر !
وہ حادثاتِ محبت جو ناگہاں گذرے

آدمی آدمی سے ملتا ہے — دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
بھول جاتا ہوں میں ستم اُس کے — وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا ! — رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے
سلسلہ فتنۂ قیامت کا ! — تری خوش قامتی سے ملتا ہے

مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں!
ہوش جب بےخودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے

(۹۸) آفشیں

لطیف طبع کو لازم ہے سوزِ غم بھی لطیف
چمن میں آتشِ گل کا کبھی دھواں نہ رہا

ہم نامرادِ شوق جئے بھی تو کیا جئے
آنا تھا مفت یہ بھی اک الزام آگیا
کیا کیا نگاہِ دوست ہوئی مجھ سے بدگماں
دم بھر کے واسطے بھی جو آرام آگیا

کیا کرے گا وہ کسی اور کا شیدا ہو کر
جس نے اپنے کو نہ سمجھا کبھی اپنا ہو کر
طعن کیا کیا نہ فرشتوں نے کئے تھے مجھ پر
عرش پہ پہنچا ہے وہی، خاک کا پتلا ہو کر
ہے جو ملنا ہی مقدر، تو برابر سے ملے
قطرہ دریا میں سمائے بھی تو دریا ہو کر

چھپتا ہے کہیں بانیٔ بیداد کا عالم
ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ فریاد کا عالم
دیکھ اے نگہِ شوق یہاں تک نہ ٹھہرنا
اک اور بھی ہے حسنِ خداداد کا عالم

بجھے گی سوزِ غم سے روح کی پیاس
اسی شعلہ کو بن جانا ہے شبنم

ان کی جفا پہ ترکِ وفا کر رہا ہوں میں
سائے کو زندگی سے جدا کر رہا ہوں میں
میری ادائے شکرِ حضوری تو دیکھنا
مدِ شکوۂ فراق نما کر رہا ہوں میں

اللہ اللہ آج حسنِ دوست کی غمّازیاں
عشق ہی کو حرف اپنا رازداں سمجھا تھا میں

ارے غضب، ارے ستم، وہ اک نگاہِ سحر فن
جھکے اگر تو بجلی، اٹھے اگر تو بت شکن

دیکھا ہے عشق ہی میں یہ عالم بھی بار بار
جس کا معاملہ ہو اسی کو خبر نہ ہو

جگرؔ ان حوادث سے گھبرا نہ جانا !
یہی تو ہے دلچسپیوں کا زمانہ !

محبت رہ گئی بن کر مکمل زندگی اپنی
مبارک بےخودی اپنی، سلامت باخودی اپنی
زمانہ تھا کبھی اپنا، یہ دنیا تھی کبھی اپنی
مگر اب تو نہ شامِ غم، نہ صبحِ زندگی اپنی
نگاہیں چار ہوتے ہی طلسمِ ظاہری ٹوٹا
حقیقت نے حقیقت جان لی پہچان لی اپنی

وہ کیا گئے بہارِ گلستاں لئے ہوئے
ہر پھول ہے کہ جرأتِ پنہاں لئے ہوئے
دل بھی دیا ہے غم بھی دیا پھر یہ کیا کہ آج
ہر اشک ہے تبسمِ پنہاں لئے ہوئے

بشکلِ ناخدا جمیں ہیں ابتک جعفرِ صادق
وہ کشتی غرق ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے

تو ہلاکِ ہوش دمکیں ہیں فہمِ کیف و مستی
تری زندگی بھی مستی، مری زندگی بھی مستی

ڈگمگانے لگے ہیں پائے طلب
دل ابھی ابتدائے راہ میں ہے

میرے پندارِ عشق پر مت جا
یہ ادائے ناز گاہ گاہ میں ہے ۱

"منظومات"

تجدیدِ ملاقات

مدت میں وہ پھر تازہ ملاقات کا عالم
نغموں میں سمویا ہوا وہ رات کا عالم
اللہ رے وہ شدتِ جذبات کا عالم
چھایا ہوا وہ نشۂ صہبائے محبت
وہ سادگیِ حسن، وہ محجوب نگاہی
نظروں سے وہ معصوم محبت کی تراوش

خاموش اداؤں میں وہ جذبات کا عالم
وہ عطر میں ڈوبے ہوئے لمحات کا عالم
کچھ کہہ کے وہ بھولی ہوئی ہر بات کا عالم
جس طرح کسی رندِ خرابات کا عالم
وہ محشرِ صد شکر و شکایات کا عالم
چہرے پہ وہ مشکوک خیالات کا عالم

عارض سے ڈھلکتے ہوئے شبنم کے دو قطرے
آنکھوں سے جھلکتا ہوا برسات کا عالم

بے شرطِ تکلف وہ پذیرائیِ الفت
بے قیدِ تصنّع وہ مدارات کا عالم !!

ایک ایک نظر شعر و شباب و مے و نغمہ
ایک ایک ادا حسنِ محاکات کا عالم

وہ نظروں ہی نظروں میں سوالات کی دنیا
وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں جوابات کا عالم

نازک سے ترنم میں اشارات کے دفتر
ہلکے سے تبسّم میں کنایات کا عالم !

پاکیزگیِ عصمتِ جذبات کی دنیا
دوشیزگیِ حسنِ خیالات کا عالم

برہم وہ نظامِ دل و دنیائے تمنّا
پیہم وہ شکستوں میں فتوحات کا عالم

وہ عشق کی بربادیٔ زندہ کا ترفّع
وہ حسن کی پائندہ کرامات کا عالم

وہ عارضِ پرنور، وہ کیفِ نگہِ شوق
جیسے کہ دمِ صبح مناجات کا عالم

وہ جرأتِ بیباک، وہ شوخی، وہ شرارت
وہ صحبتِ محبت کی مساوات کا عالم

تھک جانے کے انداز میں وہ دعوتِ جرأت
کھو جانے کی صورت میں وہ جذبات کا عالم

شرمائی لجائی ہوئی وہ حسن کی دنیا
وہ بہکی ہوئی بہکی ہوئی رات کا عالم

دو بچھڑے دلوں کی وہ باہم صلح و صفائی
پر کیف وہ تجدیدِ ملاقات کا عالم

وہ عرش سے تا فرش برستے ہوئے انوار
وہ تہنیتِ ارض و سماوات کا عالم!

تا صبح وہ تصدیقِ محبت کے نظارے
تا شام وہ پھر فخر و مباہات کا عالم

عالم مری نظروں میں جگرؔ اور ہی کچھ ہے
عالم ہے اگرچہ وہی دن رات کا عالم

یاد

آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی !
ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی !

ہر منظرِ جمال دکھاتی چلی گئی !
جیسے انہیں کو سامنے لاتی چلی گئی

ہر واقعہ قریب تر آتا چلا گیا
ہر شے حسین تر نظر آتی چلی گئی !

دایرانہ حیات کے ایک ایک گوشہ میں
جوگن کوئی ستار بجاتی چلی گئی !

دل پھنک رہا تھا آتشِ ضبطِ فراق میں
دیپک کو میگھار بناتی چلی گئی !

بے حرف و بے حکایت و بے ساز و بے صدا
رگ رگ میں نغمہ بن کے سماتی چلی گئی !

جتنا ہی کچھ سکون سا آتا چلا گیا
اتنا ہی بے قرار بناتی چلی گئی !

کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا
بے کیفیتوں کو نیند سی آتی چلی گئی

کیا کیا نہ حسنِ یار سے شکوے تھے عشق کو
کیا کیا نہ شرمسار بناتی چلی گئی

تفریقِ حسن و عشق کا جھگڑا نہیں رہا
تمیزِ قرب و بعد مٹاتی چلی گئی !

میں تشنہ کامِ شوق تھا پیتا چلا گیا
وہ مست انکھڑیوں سے پلاتی چلی گئی

اک حسنِ بے جہت کی فضا کے لپیٹ میں
اڑتی گئی مجھے بھی اڑاتی چلی گئی !

پھر میں ہوں اور عشق کی بیتابیاں جگر
اچھا ہوا، وہ نیند کی ماتی چلی گئی

سراپا

وہ حسنِ کافر، اللہ اکبر / تخریبِ دوراں، آشوبِ محشر
وہ قدِ رعنا، وہ روئے رنگیں / عالم ہی عالم، منظر ہی منظر
گیسو و عارض، شانہ بہ شانہ / شامِ معطر، صبحِ منور
شرمائیں جن سے ساون کی راتیں / وہ حلقہ ہائے زلفِ معنبر
وہ مست نظریں، جب اٹھ گئی ہیں / ٹکرا گئے ہیں ساغر سے ساغر
گفتار شیریں، رفتار نازک / خیام و حافظ، تسنیم و کوثر
کشور کشائے دلہائے خوباں / فرماں روائے جہانہائے مضطر
شہکارِ فطرت، اعجازِ قدرت / تعبیرِ خوابِ مانی و آذر
گفتار مبہم، اجمالِ ہستی / رفتارِ برہم تفسیرِ محشر
وہ بزمِ خلوت، وہ طرفِ گلشن / وہ دستِ سیمیں، وہ جامِ احمر
وہ حسنِ رقصاں وہ جسمِ لرزاں / وہ عشقِ حیراں، وہ شوقِ مضطر
جانِ توبہ، روحِ تغافل / عریاں تبسم، پوشیدہ نشتر
وہ امتزاجِ شرم و شرارت / وہ احتیاطِ آداب پرور
وہ موسمِ گل، وہ شیشہ و مل / وہ کیف و مستی، وہ رت، وہ منظر
نغمہ ہی نغمہ، خوشبو ہی خوشبو / صہبا ہی صہبا، ساغر ہی ساغر

(ناتمام)

قحطِ بنگال

بنگال کی میں شام و سحر دیکھ رہا ہوں!
ہر چند کی ہوں دور، مگر دیکھ رہا ہوں

افلاس کی ماری ہوئی مخلوق سرِ راہ
بے گور و کفن، خاک بسر دیکھ رہا ہوں

بچوں کا تڑپنا، وہ بلکنا، وہ سسکنا
ماں باپ کو مایوس نظر دیکھ رہا ہوں

بے مہری و بے دردیٔ افلاس و غلامی
ہے شامتِ اعمال، جدھر دیکھ رہا ہوں

انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
دیکھا نہیں جاتا ہے، مگر دیکھ رہا ہوں

تعمیر کے پردے میں یہ اندازِ حکومت
تخریب بعنوانِ دگر دیکھ رہا ہوں

ہر چند کی آثار تو کچھ اور ہیں لیکن
اک خیر بھی در پردۂ شر دیکھ رہا ہوں

بیداریٔ احساس ہے ہر سمت نمایاں
بیتابیٔ اربابِ نظر دیکھ رہا ہوں

خاموش نگاہوں کے گھٹتے ہوئے جذبات
جذبات میں طوفانِ شرر دیکھ رہا ہوں

انجامِ ستم اب کوئی دیکھے کہ نہ دیکھے
میں صاف ان آنکھوں سے مگر دیکھ رہا ہوں

صیّاد نے لوٹا تھا عنادل کا نشیمن!
صیّاد کا لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں

اربابِ وطن کو مری جانب سے ہو مژدہ
اغیار کو مجبورِ سفر دیکھ رہا ہوں

اک تیغ کی چمک سی نظر آتی ہے مجھ کو
اک ہاتھ پسِ پردۂ در دیکھ رہا ہوں

رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیرِ تاباں!
ہونے کو ہے اس شب کی سحر دیکھ رہا ہوں

بیداری و آزادی و اخلاص و محبت
اک خلد سا آغوشِ نظر دیکھ رہا ہوں

جو خواب کہ شرمندۂ تعبیر تھا اب تک
اس خواب کی تعبیر جگر دیکھ رہا ہوں

پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

ہندوستاں میں غیر سے ان کی کمی نہیں
لب پر ہیں جو خلوص کا دفتر لئے ہوئے

دیتے ہیں بات بات پر انسانیت کا درس
دل میں ہزار دشنہ و نشتر لئے ہوئے

بپھرے جنونِ حبِ وطن سے دھوئیں دھوئیں
سینے خباثتوں کا سمندر لئے ہوئے

ظاہر میں اک مجسمۂ امن و آشتی !
باطن میں لاکھ فتنۂ محشر لئے ہوئے

کہتے ہیں بھائی بھائی ہیں اہلِ وطن تمام
پھرتے ہیں آستینوں میں خنجر لئے ہوئے

انسان جس میں بستے ہیں اس طرح کے ججز
بھاگ ایسی سرزمین سے بستر لئے ہوئے

(دورانِ قیامِ بمبئی ۱۹۴۶ء)

آج کل

فکرِ جمیل خوابِ پریشاں ہے آج کل
شاعر نہیں ہے، وہ جو غزلخواں ہے آجکل

سازِ حیات سازِ شکستہ ہے ان دنوں
بزمِ خیال جنت ویراں ہے آجکل

آنکھیں تمام شعلۂ عشق و جمال ہیں !
سینہ تمام گنجِ شہیداں ہے آجکل

انسانیت، کہ جس کو عبارت ہے زندگی
انساں کے سائے سے بھی گریزاں ہے آجکل

دل کی جراحتوں کے کھلے ہیں چمن چمن !
اور اس کا نام فصلِ بہاراں ہے آجکل

مجھ چمن میں بوئے وفا کا پتہ نہیں
تحصیلِ علم و کسبِ خطابت کے باوجود
کیسا خلوص، کس کی محبت، کہاں کا درد
افساد ہو گئی ہیں دسیسہ الخیاں لیاں
سازش، دغا، فریب، سخن پروری، دروغ
اخلاق، ایک فن ہے جو عصرِ جدید میں
شائستگی کے بھیس میں ہے روحِ زندگی!
وہ قومیت کہ جس سے ہے انسانیت ذلیل
دہلی و دیرہ دون، نواکھالی و بہار
ہے زخمِ کائنات جو ہندو ہے ان دنوں
تعداد ایک فرقے کی جتنی بھی گھٹ سکے
وہ دن گئے کہ طائرِ مقصود تھا شکار
کہتے ہیں جس کو صورتِ آزادیِ وطن
کانٹے کسی کے حق میں کسی کو گل و ثمر
سرمایہ داریوں کی طرفداریاں ہیں سب
ہوتی ہیں لکھ پتیوں پہ روز نئی عنائتیں
نسبت ہے اس کو شعلۂ منشور سے کہاں
کچھ رہبرانِ قوم، جو مخلص ہیں واقعی!
لیکن میں دیکھتا ہوں کہ در پردہ شہود

رنگِ رخِ بہار پریشاں ہے آجکل
تہذیبِ نفس، سر بہ گریباں ہے آجکل
خود زندگی متاعِ گریزاں ہے آجکل
کم ظرفیِ مزاج نمایاں ہے آجکل!
ہر درد کا یہ نسخہ آساں ہے آجکل
اندازِ حسن بھی کہ نمایاں ہے آجکل
انسان کے لباس میں شیطان ہے آجکل
ہندوستاں میں کس قدر ارزاں ہے آجکل
انساں ہے اور ماتمِ انساں ہے آجکل
ہے داغِ زندگی، جو مسلماں ہے آجکل
کارِ ثواب و کارِ نمایاں ہے آجکل
انسان کا شکار خود انساں ہے آجکل
دراصل ایک پیکرِ بے جاں ہے آجکل
کیا خوب اہتمامِ گلستاں ہے آجکل
لیکن مفادِ عام کا عنواں ہے آجکل
اردو زباں پہ خاص کا احساں ہے آجکل
شاعر ہے اور پیکرِ عریاں ہے آجکل
اُن کا چراغ بھی تہِ داماں ہے آجکل
فطرت کا انتقام خراماں ہے آجکل

الم سے تو خودکشی ہی غنیمت ہے اے جگر
وہ مصلحت، جو پیشۂ مرداں ہے آجکل

گاندھی جی کی یاد میں

وہی ہے شور ہائے و ہو، وہی ہجوم مرد و زن
مگر وہ حسنِ زندگی، مگر وہ جنتِ وطن

وہی زمیں، وہی زماں، وہی مکیں، وہی مکاں
مگر سرورِ یک دلی۔ مگر نشاطِ انجمن!

وہی ہے شوقِ نو بہ نو، وہی جمالِ رنگ رنگ
مگر وہ حسنِ سادگی، وہ سادگی کا بانکپن

ترقیوں پہ گرچہ ہیں، تمدن و معاشرت
مگر وہ حسنِ سادگی، وہ سادگی کا بانکپن

شرابِ نو کی مستیاں، کہ الحفیظ و الاماں
مگر وہ اک لطیف سا سرورِ بادۂ کہن!

یہ نغمۂ حیات ہے کہ ہے اجل ترانۂ سلح
یہ دورِ کائنات ہے، کہ رقص میں ہے اہرمن

ہزار صد ہزار ہیں اگرچہ رہبرانِ ملک
مگر وہ پیرِ نوجواں، وہ ایک مردِ صف شکن

وہی مہاتما وہی شہیدِ امن و آشتی
پریم جس کی زندگی، خلوص جس کا پیرہن

وہی ستارے ہیں مگر کہاں وہ ماہتابِ ہند
وہی ہے انجمن، مگر کہاں وہ صدرِ انجمن

آوازیں

اگرچہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر ہے کاروبارِ فطرت
وہی فضا اور رقصِ عریاں، وہی ہے حسنِ حجاب بھی

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر، چمن سے روٹھی بہار اب بھی
نسیم ہے آج بھی طرب زا، درخت ہیں سایہ دار اب بھی
مگر وہ انساں کہ جن کے چھونے سے جلتے ہیں برگ و بار اب بھی
انھیں خبر کیا نہیں ہے اس کی، انھیں میں ہیں فتنہ کار اب بھی
مگر وہ ہیں وقت و مصلحت کے قدیم و تازہ شکار اب بھی
مصیبتوں کو پیامِ عشرت، کہ عقل ہے تجربوں کی جانب
مصیبتوں کو نویدِ راحت، جنوں ہے آہستہ کار اب بھی
اگرچہ آزادیٔ وطن کو گزر چکا ایک سال کامل!
مگر خود اہلِ وطن کے ہاتھوں فضا ہے ناسازگار اب بھی
خود اپنی بدقسمتی کے ہاتھوں بُرے نتائج بھگت رہے ہیں
صداقتوں سے حقیقتوں تک، رہی ہے لیکن غبار اب بھی
زمیں بدل دی، زمانہ بدلا، مگر نہ بدلے تو وہ نہ بدلے!
جو تنگ و تاریک ذہنیت تھی، وہی ہے برسرِ کار اب بھی
یہ زندگی غیر مطمئن سی، شکوک و شبہات کی دنیا!
مگر وہ فرمائے جا رہے ہیں کہ رشتہ ہے استوار اب بھی
کوئی یہ چپکے سے اُن سے پوچھے، کہاں گئے آپ کے وہ دعوے
نچوڑتا ہے لہو غریبوں کا، دستِ سرمایہ دار اب بھی!
سفارشیں ظالموں کے حق میں پیامِ رحمت بنی ہوئی ہیں

نہیں ہے شائستۂ سماعت دکھے دلوں کی پکار اب بھی
اسی کا ہے نام اگر ترقی تو اس ترقی سے باز آئے
کہ خونِ مخلوق سے خدا کی زمیں ہے لالہ زار اب بھی
ہمیں ملا کر بھی خاک و خوں میں نہیں ہیں وہ مطمئن ابھی تک
ہماری خاکِ لحد کے ذرّے ہیں ان کے دامن پہ بار اب بھی
جو محوِ جشنِ نظامِ نو ہیں، پکار کر ان سے کہہ رہا ہوں !
یہ جاں ہے سوگوار اب تک یہ دل ہے ماتم گسار اب بھی
منافقت کی ہزار باتیں وہ سنتے رہتے ہیں اور خوش ہیں
مگر صداقت کی صاف و سادہ سی بات ہے ناگوار اب بھی
نہ وہ مروت، نہ وہ صداقت، نہ وہ محبّت، نہ وہ شرافت
رہینِ خوف و خطر ہیں یعنی، سکونِ امن و قرار اب بھی
زبان و دل میں نہ ربطِ صادق، نہ باہمی وہ خلوص کامل
جو تھے غلامانہ زندگی میں، وہی ہیں لیل و نہار اب بھی
غلط یہ جمہوریت کے دعوے، دروغ یہ زندگی کے نقشے
دلیل اس کی یہی ہے کافی کہ ذہن ہے تنگ و تار اب بھی
یہ جشنِ آزادیِ وطن ہے، مگر اسی جشن و سرخوشی میں !
بہت ہیں سینہ فگار اب بھی، بہت ہیں بیروزگار اب بھی
یہی جو سادہ سے قہقہے ہیں، یہی جو پھیکے سے ہیں تبسّم
انہیں کی تہہ میں بہت سے اشکوں کے ہیں رواں آبشار اب بھی

گرانیاں اس طرف وہ ارزاں، ادھر یہ افلاس و تنگدستی
مگر حکومت کا ہے یہ عالم، ذرا نہیں شرمسار اب بھی

ہزار ہا انقلاب دیکھے، ہزار ہا تجربوں سے گذرے
خرد میں تنگی، عمل میں لغزش، جنوں ہی ناپختہ کار اب بھی

یہ رشوتوں کی، یہ سازشوں کی، یہ نفع اندوزیوں کی لعنت
وہ خود ہی انصاف سے یہ کہہ دیں نہیں وہ کچھ ذمہ دار اب بھی

انھیں کے حلقوں سے خود انھیں کی مخالفت عام ہو رہی ہے
ہماری جانب سے لیکن ان کی نظر ہے بیگانہ وار اب بھی!

کہاں کی دلداری و محبت، تلافیوں کا تو ذکر ہی کیا!
حقوق پامال کر رہے ہیں، حقوق کے پہرہ دار اب بھی!

کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکے گی، مسرت آزادیوں کی حاصل
کہ عام انسانیت کا عالم ہے تشنہ و بے قرار اب بھی!

وسیع مسلک، رفیع فطرت، خلوص ایماں، خلوص نیت
انھیں فضائل پہ ہے وطن کے وقار کا انحصار اب بھی!

زمانہ کیا کیا نہ کہہ چکا ہے، زمانہ کیا کیا نہ کہہ رہا ہے
مگر وہ ہیں وضعدار ایسے، ذرا نہیں شرمسار اب بھی

خلوصِ نیت سے صرف اپنی ہی زندگی پر کریں توجہ!
خلوص نیت کی منتظر ہے سعادتِ کردگار اب بھی!

کبھی کبھی غور کرتے رہیے، جگر کا مصرع یہ پڑھتے رہیے

چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن کی روٹھی بہار اب بھی!

جگر کی ہے زندگی محبت، نہیں ہے اس کو کسی سے نفرت
جگر کے دل میں ہے سب کی عزت جگر ہے یاروں کا یار اب بھی

گذر جا!

بازیچۂ اربابِ سیاست سے گذر جا — اس کارگہِ مکر و ضلالت سے گذر جا
ہر عشرتِ بے وقت و محنت سے گذر جا — جنت بھی میسر ہو تو جنت سے گذر جا!
جرأت ہے تو ہر بزمِ صداقت سے گذر جا — ہمت ہے تو محدود محبت سے گذر جا
ہر تنگ نظرِ اہلِ صحافت سے گذر جا — ہر سادہ و پرکارہ عبارت سے گذر جا
الفاظ نہیں دام ہیں یہ مکر و دغا کے — زورِ قلم و جوشِ خطابت سے گذر جا
خودداری بیباک شرافت کا ہے جوہر — اظہارِ وفا، جوشِ عقیدت سے گذر جا
تا چند یہ توہینِ حقوقِ رعیت! — اٹھ اور اب اس قعرِ مذلت سے گذر جا
مرتا بقدم پیکرِ ایثار و عمل بن! — ہر مرحلۂ شکر و شکایت سے گذر جا!
کرنا ہے اگر کارِ نمایاں کوئی تجھ کو! — اٹھ اور ہر آسانیِ لذت سے گذر جا
قسمت تری خود ہے ترے کردار میں مضمر — قسمت کو بنانا ہے تو قسمت سے گذر جا
جینا جو ہے منظور تو جینے کا نہ کر فکر — راحت کی تمنا ہے تو راحت سے گذر جا
جو صبر و قناعت تجھے مفلوج بنا دے — بہتر ہے کہ اس صبر و قناعت سے گذر جا
پیدا نہ کرے تجھ میں جو پاکیزگیِ روح! — اس فلسفہ و دانش و حکمت سے گذر جا
نادار کی مجبوری و مسکیں کی طرف دیکھ — ہر قصرِ فلک بوس کی رفعت سے گذر جا

پھیلے ہوئے اجسام سسکتی ہوئی روحیں
ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام
دنیا کہ ہے رزمگہِ سلطنت و حق !
سیدھی سی بس اک راہ صداقت پہ چلا چل
انسانیتِ عام کے مرکز پہ بنا ڈال
اوروں کیلئے چھوڑ یہ تاریک مقامات
لیتا ہوا اک درسِ حیاتِ ابدی کا !
حق پر ہے اگر تو تو شہادت کا مزا چکھ
ہے خدمتِ مخلوق ہی نعم البدل اپنا
ملت کی بقا ہے تری اس سعی میں پنہاں
سرمایہ و سازش کے یہ مردودِ عزائم !
توحید کی طاقت کو بنا اپنا معاون
حائل ہو قیامت بھی اگر راہ میں تیری
بیباک گذر رزمگہِ دہر سے لیکن !
تو حسن کے اک دائرۂ کل کی طرف آ !
کونین تری وسعت و رفعت پہ ہیں خود محو
تجھ پر جو گروہِ جہلا طنز کرے کچھ
ہوتا ہے یونہی نشو و نما فکر و عمل کی !
انسان جو انسان ہی ہے تری معراج

کچھ سوچ کے اس منظرِ عبرت سے گذر جا
اے ننگِ طلب، وقفۂ راحت سے گذر جا
لڑتا ہوا ہر کفر و ضلالت سے گذر جا
پُر پیچ گذرگاہِ سیاست سے گذر جا
ہر ناقص و محدود جماعت سے گذر جا
نفرت سے عداوت سے شقاوت سے گذر جا
ہر تازہ غم و رنج و مصیبت سے گذر جا
بچ کر نہ اس آشوبِ ہلاکت سے گذر جا
کر خدمتِ مخلوق تجارت سے گذر جا
سر دے کے تو امیدِ شہادت سے گذر جا
تو صرف اک اندازِ حقارت سے گذر جا
ہر دائرۂ قلت و کثرت سے گذر جا
ٹھکرا کے قیامت کو قیامت سے گذر جا
مقصد یہ نہیں فہم و فراست سے گذر جا
ہر چیز دوئی و محدود حقیقت سے گذر جا
کونین کی ہر وسعت و رفعت سے گذر جا
بارعب و دلآویز متانت سے گذر جا
ہنستا ہوا ہر جبرِ حکومت سے گذر جا !
رنگ و وطن و قوم کی لعنت سے گذر جا

تیرے یہ پیاماتِ جگر ہم کو مبارک
تو بھی تو اب اس پستیٔ غزلت سے گذر جا

نوائے وقت!

اٹھو! اٹھو! کہ زندگی ہی زندگی پہ بار ہے!
بڑھو! بڑھو! کہ چار سو پکار ہی پکار ہے
وہ وقت ہے کہ علمِ حق ہے علمِ شیطنت میں گم!
وہ وقت ہے کہ آدمی کا آدمی شکار ہے!
کہاں کے طرب و غزل، کہاں کے شاہد و چمن
کہ زندگی تمام تر بساطِ کار زار ہے!
غضب کہ چھائی جا رہی ظلمتوں کی بدلیاں
ستم کہ وہ میں آندھیوں کی شمع رو رہی جگا رہی ہے
زمیں کو روندتے ہوئے لہو کو چیرتے ہوئے
بڑھے چلو بڑھے چلو! یہ وقت کی پکار ہے!

زمانے کا آقا۔ غلامِ زمانہ

کدھر ہے تو اے جرأتِ باغیانہ
بدل دے مقدر پلٹ دے زمانہ
کھلا بابِ زنداں تو کیا اس سے حاصل
کہ خود زندگی بن گئی قید خانہ
محبت اڑی جا رہی ہے دلوں سے
حقیقت بنی جا رہی ہے فسانہ

شرافت کا معیار، افراطِ دولت
صداقت کی معراج لفظی ترانہ

زبانوں پہ اصلاحِ قومی کے نعرے
مگر ذہنیت بیشتر مفسدانہ!

غریبوں پہ جو کچھ گذرتی ہے گذرے
سمٹ آئے جیبوں میں لیکن خزانہ

مجسم خود اک پیکرِ مادیت
مگر درسِ روحانیت عارفانہ

مسائل کی ہنگامہ آرائیوں میں
کہیں روحِ بسمل، کہیں دل نشانہ

نتائج سے بھی آنکھ کھلتی نہیں ہے
ہر اقدام اب تک ہے نامنصفانہ

بشر کی یہ پستی، ارے توبہ توبہ
زمانے کا آقا، غلامِ زمانہ

دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر!

پہلے تو حسنِ عمل، حسنِ یقیں پیدا کر
پھر اسی خاک سے فردوسِ بریں پیدا کر

یہی دنیا کہ جو بت خانہ بنی جاتی ہے
اسی بتخانے سے کعبے کی زمیں پیدا کر

روحِ آدم نگراں کب سے ہے تیری جانب
اٹھ اور اک جنتِ جاوید یہیں پیدا کر

خس و خاشاکِ توہم کو جلا کر رکھ دے
یعنی آتشکدۂ سوزِ یقیں پیدا کر!

غم میسر ہے تو اس کو غمِ کونین بنا
دل حسیں ہے تو محبت بھی حسیں پیدا کر

آسمان مرکزِ تخئیل و تصور کب تک
آسماں جس کو خجل ہو وہ زمیں پیدا کر

دل کے ہر قطرہ میں طوفانِ تجلی بھر دے
بطنِ ہر ذرے سے اک مہرِ مبیں پیدا کر

بندگی یوں تو ہر انسان کی فطرت لیکن
ناز جس پر کریں سجدے وہ جبیں پیدا کر

پستیِ خاک پہ کب تک تری بے بال و پری
پھر مقام اپنا سرِ عرشِ بریں پیدا کر!

عشق ہی زندہ و پائندہ حقیقت ہے جگر
عشق کو عام بنا، ذوقِ یقین پیدا کر

اعلانِ جمہوریت

۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء

خدا کرے کہ یہ دستور سازگار آئے
جو بے قرار ہیں اب تک انہیں قرار آئے

بہار آئے اور اس شان کی بہار آئے
کہ پھول ہی نہیں کانٹوں پہ بھی نکھار آئے

وہ سرخوشی ہو کہ خود سرخوشی بھی رقص کرے
وہ زندگی ہو کہ خود زندگی کو پیار آئے

کھلے جو پھول تو دے جسمِ ناز کی خوشبو
کلی اگر کوئی چٹکے صدائے یار آئے

جہاں چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں
کہیں بہار نہ آئے کہیں بہار آئے

یہ میکدے کی یہ ساقی گری کی ہے توہین
کوئی ہو جام بکف، کوئی شرمسار آئے

خلوص و ہمتِ اہلِ چمن پہ ہے موقوف
کہ شاخِ خشک میں بھی پھر سے برگ و بار آئے

جنونِ عشق ہو صالح اگر، تو ممکن ہے
کہ پھر اُس اجڑے گلستاں میں بھی بہار آئے

مذاقِ عشق بدل دے مزاجِ کون و فساد
دلوں تک آئے جو غم بھی تو خوشگوار آئے

نظامِ خلق و مروت کبھی جو برہم ہو!
نگاہِ لطف و محبت بڑھے سنوار آئے!

دلوں پہ نقش نہ رہ جائے کوئی نفرت کا
یہ فتنہ پھیلے نہ آشوبِ روزگار آئے!

برائی کرنے سے ہی کاش انساں کو
نظر ہر ایک بدی کا مآلِ کار آئے!

وہ حادثات زمانے سے محو ہو جائیں
کہ جن کے ذکر سے انسانیت کو عار آئے

نمائشی ہی نہ ہو، یہ نظامِ جمہوری
حقیقتاً بھی زمانے کو سازگار آئے

خلوص و عدل و مساوات دل میں گھر کر لیں
نہ یہ کہ ذکر زباں پر ہی بار بار آئے

ضمیر صاف ہو اپنا تو غیر ممکن ہے
کسی کے آئینۂ قلب پر غبار آئے

محبت آج بھی مشعل فروز منزل ہے!
اگر نہ کور نگاہی بروئے کار آئے

دلوں کو کھوٹ ہو جس کے ضمیر میں شامل
نہ آئی ہے وہ سیاست نہ ساز گار آئے

زبان و دل میں ہم ارتباط ہو ایسا!
کہ جو زباں کہے، دل کو اعتبار آئے

بنا دیا ہے محبت نے آگ کو گلزار!
مگر جو آج کے انساں کو اعتبار آئے

نہ ہو جو عام مسرت، محال ہے اے دوست
کہ زندگی کو کسی حال میں قرار آئے!

ساقی سے خطاب

"ساقی" اور "رند" دونوں میخانہ، روحانیت سے وابستہ ہیں۔ دونوں میں شدید محبت ہے جہاں ساقی عظیم المرتبت ہے وہاں رند بھی معمولی رند نہیں بلکہ ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے۔

عصر جدید کے حالات سے متاثر ہو کر رند میخانہ کی زندگی ترک کرنا اور جد و جہد دنیا میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور ساقی سے اجازت کا طالب ہوتا ہے۔

ساقی کو خیال ہوتا ہے کہ گلی دنیا میں خدا جانے رند سے کیا کیا لغزشیں ہوں لیکن رند پر ساقی کا احساس منکشف ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہہ کر ساقی کو مطمئن کرنا چاہتا ہے ؎

نہ لا وسواس دل میں مجھ پہ تیرے دیکھنے والے
سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چھپا اندر حسین ساقی

ان کے ساتھ نظم میں "معیارِ جنوں" "تنظیم میخانہ" "انسان" اور "انسانیت" "وطن" اور "وطنیت" وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی رند یعنی شاعر کے نظریات کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

کہاں سے بڑھ کے پہونچے ہیں کہاں تک علم و فن ساقی
مگر آسودہ انساں کا نہ تن ساقی نہ من ساقی!

یہ سنتا ہوں کہ پیاسی ہے بہت خاکِ وطن ساقی
خدا حافظ چلا میں باندھ کر سر سے کفن ساقی

سلامت تو، ترا میخانہ، تیری انجمن ساقی!
مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمتِ دار و رسن ساقی

رگ و پے میں کبھی صہبا ہی صہبا رقص کرتی تھی
مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موج زن ساقی

کبھی میں بھی تھا شاہد در بغل، توبہ شکن، مے کش
مگر بننا ہے اب خنجر بکف، ساغر فگن ساقی

نہ لا وسواس دل میں، جو ہیں تیرے دیکھنے والے
سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی

جو دشمن کے لئے بھی مرے اپنے کھیل جاتے ہیں
دلِ خوباں میں چبھتا ہے انھیں کا بانکپن ساقی!

ترے جوشِ رقابت کا تقاضا کچھ بھی ہو لیکن !!
تجھے لازم نہیں ہے ترکِ منصب و فعۃً ساقی!

ابھی ناقص ہے معیارِ جنوں، تنظیم میخانہ!
ابھی نا معتبر ہے تیرے مستوں کا چلن ساقی

وہی انساں، جسے سرتاجِ مخلوقات ہونا تھا!
وہی اب سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی!

لباسِ حرّیت کے اڑ رہے ہیں ہر طرف پرزے
بساطِ آدمیت ہے شکن اندر شکن ساقی

مجھے ڈر ہے کہ اس ناپاک تر دورِ سیاسی میں
بگڑ جائے نہ خود میرا مذاقِ شعر و فن ساقی

کہیں ملحد نہ بن جائیں مرے افکارِ سنجیدہ!
کہیں مرتد نہ ہو جائے مرا ذوقِ سخن ساقی!

کہیں خود حسن رہ جائے نہ قومی ملکیت بن کر
کہیں خود عشق ہو جائے نہ محدودِ وطن ساقی!

کہاں ہیں رندِ سرگشتہ، کہاں یہ دعویٰ رنگیں!
سمجھ لے اس کو بھی میرا اک اندازِ سخن ساقی!

عجب کیا ہے یہ بہکی بہکی باتیں رنگ لے آئیں
بہت باہوش رہتا ہے مرا دیوانہ پن ساقی!

نمودِ صبحِ کاذب ہی دلیلِ صبحِ صادق ہے
افق سے زندگی کی دیکھ وہ ابھری کرن ساقی

بدہ جامِ مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
سوادِ ساحلِ گنگا و گلگشتِ چمن ساقی

قندِ فارسی

بہ سرِ تو ساقی مستِ من، بہ سرِ درِ بے طلبی خوشم
اگر شراب نمی دہی، بہ خمارِ تشنہ لبی خوشم

چہ خوش است ذوقِ تجسّم، چہ بلاست لذتِ قربتم
کہ بہ یادِ زلفِ سیاہِ تو بہ ہجومِ تیرہ شبی خوشم

چہ مقامِ عشق و چہ منزلے، کہ دریں زمانِ من بیدلے
نہ بہ شاہدے، نہ بہ طربے، نہ بہ حاصلِ نسبی خوشم

زنگاہِ عشوہ طرازِ تو، چہ گزشت بر دلِ من کہ من
نہ بہ نالۂ سحری خوشم نہ بہ آہِ نیم شبی خوشم

ز جفائے حسنِ تمامِ تو نہ حکایتے نہ شکایتے
چہ حکایتے چہ شکایتے کہ بہ ترکِ بے ادبی خوشم

ہمہ ہمہ شیِ عشقم، ہمہ سوزِ جانم! (۱)
خدارا اے جواناں! کہ پیرِ جوانم

نہ اسمم نہ جسمم نہ اینم نہ آنم!
چہ رازِ عیانم! چہ سرِّ نہانم

جہاں از من و من زجانِ محبت!
بجانِ محبت! کہ جانِ جہانم

خوشا نسبتِ عشقِ لافانی تو !
فنا گشتم و زندہ جاودانم !